امام اہلِ سُنت احمدؒ بن حنبل کا دورِ ابتلاء

تہذیب و تحقیق
ڈاکٹر محمد نغش مصری

ترجمہ:
مولانا محمد صادق خلیل

امام اہل سنت

احمد بن حنبلؒ کا دورِ ابتلاء

جمع وتدوین :

امام ابو عبداللہ حنبل بن اسحاق بن حنبلؒ

تحقیق :

ڈاکٹر محمد نغش مصری

ترجمہ

(مولانا) محمد صادق خلیل مدیر ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمۃ والتالیف فیصل آباد

اشاعت . . . . اول

تعداد . . . . ایک ہزار

مطبع . . . فالکن پریس لاہور

ناشر . . . . ناظم ضیاء السنۃ ، ادارۃ الترجمہ والتالیف
فیصل آباد

ملنے کا پتہ .. .. . مکتبہ ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف
رحمت آباد فیصل آباد
مکتبہ ماہنامہ محدث ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن
لاہور

قیمت .. .. .. بارہ روپے -/۱۲ روپے

ترتیب

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ
الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا
مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ۝

آپ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل کو دیکھئے کہ معتصم باللہ جیسا قاہر و با جبروت فرمانروا ان کے سامنے کھڑا ہے نو جلاد یکے بعد دیگرے تازیانے لگا رہے ہیں۔ پیٹھ زخموں سے چور چور ہو گئی ہے تمام جسم خون سے رنگین ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ جس مسئلہ کو وہ کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اس کا ایک مرتبہ اقرار کر لیں لیکن اس پیکرِ حق اس مجسمۂ سنت اس صابر اعظم کما صبر اولوا العزم من الرسل کی زبان صدق ترجمان سے یہی صدا نکل رہی ہے۔ اعطونی شیئا من کتاب اللہ و سنت رسولہ حتی اقول ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم!

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(حضرت مولینا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ)

(ماخوذ از خطبات آزاد)

ڈاکٹر محمد نغش کے مختصر حالات

جمہوریہ مصر عربیہ کے ضلع دقہلیہ میں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے کی سند حاصل کرنے سے قبل ابتدائی دور میں ایئر فورس اور اسلحہ ساز فیکٹریوں میں ملازمت کی ملازمت ترک کر کے قاہرہ یونیورسٹی سے عربی ادب میں بی اے پاس کیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں قاہرہ یونیورسٹی سے عربی ادب میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی۔

اس کے بعد دو سال الجزائر میں قدیم عربی ادب کے استاد کی حیثیت سے تدریسی فرائض سر انجام دیئے۔ اور ۱۹۷۵ء سے اب تک الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ میں تہذیب و ثقافت اور اسلامی تربیت کے استاذ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن پر انگریزی زبان میں لیکچر دیتے ہیں۔ محنۃ الامام احمد بن حنبل کے علاوہ متعدد کتب پر تحقیق کر چکے ہیں۔ جمہوریہ عربیہ مصر اور عربیہ سعودیہ کے ریڈیو پر ان کی تقریریں نشر ہوتی رہتی ہیں اور مجلات میں بھی ان کے علمی ادبی مضامین چھپتے رہتے ہیں۔ دعوت و ارشاد کے سلسلہ میں تانلاند اور آسٹریلیا کا سفر کر چکے ہیں۔ اور مختلف اسلامی عالمی کانفرنسوں میں بطور مندوب شریک ہونے کا موقعہ ملتا رہا ہے۔

مقدمہ

انبیائے کرام کا ابتلاء:

جس قدر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہوتا ہے اسی قدر اسے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اشد الناس بلاءً الانبیاء فالامثل ثم الامثل"

"تمام لوگوں سے زیادہ مصائب اٹھانے والے انبیاء کرام ہوتے ہیں۔ پھر جو افضل ہیں پھر جو افضل ہیں۔"

معلوم ہوا کہ جس قدر کوئی شخص متدین ہوتا ہے، اسی نسبت سے اس میں تصلب فی الدین اور استقامت کا وصف پایا جاتا ہے۔

چونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں، اسی لیے آپؐ کو دعوت وارشاد کے میدان میں ناقابلِ برداشت مظالم اٹھانے پڑے، آپؐ اپنی کیفیت بیان فرماتے ہیں:

"ولقد اوذیت فی اللہ وما یؤذی احد ولقد اخفت فی اللہ وما یخاف احد"

"مجھے راہِ حق میں جس قدر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اس قدر کسی شخص کو تکلیف نہیں ہوئی اور جس طرح مجھے ڈرایا گیا کسی کو نہیں ڈرایا گیا ہوگا۔"

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے مشن کی تکمیل میں کوشاں رہے۔ نہ تو آپؐ کی مبارک پیشانی پر کوئی تغیر ظاہر ہوا۔ اور نہ آپؐ کے رخِ انور پر اضمحلال کے آثار رونما ہوئے بلکہ آپؐ شگفتہ پھول کی مانند مسکراتے رہے۔ اور فرائض کی تکمیل میں مصروف رہے ؎

چاروں طرف سے کانٹوں میں گھیر اگیا ہے پھول
پھر بھی کھلا ہوا ہے، عجب خوش مزاج ہے

اللہ کے مکرم بندوں کا ابتلاء!

اسلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ کون ہے جس نے کلمۂ حق بلند کیا ہو، توحید کا پرچم لہرایا ہو، لیکن ظلم وستم کا تختۂ مشق نہ بنا ہو ـــ اس پر کیچڑ نہ اچھالا گیا ہو اور اسے قید وبند کی سختیاں نہ جھیلنی پڑی ہوں۔

بلکہ ایسے پاکباز نیک طینت جاں نثاروں کی کمی نہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور بہ رضا و رغبت ہنستے مسکراتے ہوئے تختۂ دار پر آن کھڑے ہوئے اور جاں سپاری و جان فروشی کا وہ منظر پیش کیا جس سے حاضرین دم بخود رہ گئے اور فضا پر سناٹا طاری ہو گیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً!

صداقت کو بیاں کرنے سے مومن رک نہیں سکتا
اتر سکتا ہے سر اس کا ولیکن جھک نہیں سکتا
کٹا کر گردنیں دکھلا گئے اپنی خدا والے
کبھی بندوں کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

اور کتنے ہیں جنہوں نے کفر وشرک کی تند و تیز آندھیوں کا رخ موڑ دیا، ابلیسی طاقتوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے جب وہ بپھرے ہوئے غضب ناک شیر کی طرح میدانِ عمل میں کود سے۔ تو دنیا جانتی ہے کہ انھوں نے جرأت و بہادری کا ایسا ریکارڈ قائم کیا جس کی گرد کو پہنچنا بھی مشکل ہے۔ وہ برق کی مانند چمکے، شعلۂ جوالہ بن کر ابھرے اور اپنے حریف کو راکھ کا ڈھیر بنا گئے کسی ظالم سفاک کے سامنے ان کی گردن کٹی تو ہے، جھکی نہیں۔ اور نہ ان کے پائے ثبات میں کچھ جنبش آئی ہے ؎

جفا کی تیغ سے گردن کو گرتے بارہا دیکھا
کٹی ہے بر سرِ میداں مگر جھکتی نہیں دیکھی

امام احمدؒ کا ابتلاء:

ان داعیانِ حق، والہانِ سنتِ سلفِ صالحین اور ائمہ کرام ہیں، امام اہلِ سنت حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ صفِ اول میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ وہ پرہیزگار انسان ہیں جنہوں نے صداقت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ وہ منزل کی جانب رواں دواں رہے لیکن ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ وہ کفر و الحاد کے سیلاب کے سامنے نہ صرف چٹان بنے رہے بلکہ اس کا رخ موڑ دیا۔ وہ برابر خنداں و فرحاں منزل کی جانب بڑھتے رہے اور راستے کی تمام روکاوٹوں کو ایک ایک کرکے ہٹاتے چلے گئے۔

ان کے دور میں مسئلہ خلقِ قرآن نے جب فتنہ کی شکل اختیار کی تو وہ بلا خوف وخطر اس کے استیصال کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ عباسی خلفاء نے انہیں روکنا چاہا تو آپ نے ان کے شاہانہ جاہ و جلال اور طمطراق کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بہ بانگِ دہل اعلان کیا کہ قرآنِ مجید اللہ رب العزت کا کلام ہے لہٰذا غیر مخلوق ہے حکومت کی طرف سے پہلے ترغیب و تحریص کے ذریعے انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی سرتوڑ کوشش کی گئی لیکن وہ اپنا موقف ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ تو آپ کو مظالم کا نشانہ بنایا گیا اور آپ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ ان کی ننگی کمر پر تازہ دم جلادوں کے ہاتھوں نہایت شقاوت اور سنگدلی کے ساتھ کوڑے برسائے گئے، حتیٰ کہ آپ کی کمر سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے، اس پر بھی آپ نے استقامت اختیار کی اور برابر اعلان فرماتے رہے کہ قرآنِ پاک اللہ رب العزت کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اگر اس کے مخلوق ہونے پر تمہارے پاس کتاب وسنت سے دلائل موجود ہیں تو پیش کرو۔ لیکن ان کے پاس کوئی دلیل ہوتی تو پیش کرتے۔ بلکہ دلائل کے جواب میں مظالم کے پہاڑ توڑے جاتے جبکہ امام احمدؒ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے ؎

مکش بہ تیغِ ستم والہانِ سنت را
نکردہ اند بجز پاسِ حق گناہِ دگر

ایک سوال :

مسئلہ خلقِ قرآن فلاسفہ کا پیدا کردہ تھا۔ وہ اس لائق نہ تھا کہ اس کو اتنی اہمیت دی جاتی اور پھر اس قدر استقامت اختیار کی جاتی اور خواہ مخواہ اس قدر مصائب و تکالیف میں اپنے تئیں ڈالا جاتا۔ کیا تھا اگر وہ قرآنِ پاک کو مخلوق کہہ دیتے؟

جواب :

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اسلامی شریعت کا ابلاغ اور اس کا تحفظ علماء امت کی ذمہ داری ہے۔ ان کے فرائض میں داخل ہے کہ قرآنِ پاک کی جو تشریح سنت میں موجود ہے، یا جو چیزیں سنت میں مستقلاً ہیں ان میں کسی قسم کی تحریف نہ ہونے پائے اور کسی دوسری تشریح کو اسلام میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس بنیاد پر امام احمدؒ نے جب دیکھا کہ قرآنِ پاک کو مخلوق کہا جا رہا ہے۔ حالانکہ قرآنِ پاک اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی صفت ہے۔ اور اللہ پاک کی صفات مخلوق نہیں ہیں۔ تو اس بنیاد پر اللہ کا کلام (قرآنِ پاک) بھی مخلوق نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس قانون کی مخالفت کرتا ہے اور قرآنِ پاک کو مخلوق کہتا ہے تو گویا کہ وہ اسلامی شریعت میں اپنی طرف سے اضافہ کرتا ہے اور اسلام کی واضح ہدایات کو جھٹلاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خدا تعالیٰ کی صفات میں نقص ڈالنے کی سعی نامراد و نامشکور کرتا ہے۔ پس اس کیفیت کو دیکھ کر امام صاحب سے نہ رہا گیا۔ وہ ان حالات میں کیسے خاموش رہ سکتے تھے؛ انہوں نے جس چیز کو صحیح سمجھا اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ اور اس خیال سے کہ اس طرح دینِ اسلام میں ترمیم و تحریف کا دروازہ اور صفاتِ الٰہیہ میں فرق ڈالنے کی راہ کھل جائے گی، ڈٹ گئے اور جاں سپاری و جان نثاری کی نہ صرف ایک روشن مثال قائم کی بلکہ قیامت تک کے لئے اس مسئلہ کی حقانیت و صداقت کو واضح کر دیا کہ آئندہ کبھی کوئی ایسی جسارت کا مرتکب نہ ہو۔ آپؒ کے اس تعامل کی روشنی میں امتِ مسلمہ اپنے لئے راہِ عمل متعین کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر قسم کے ظلم و ستم کو برداشت کیا لیکن پائے ثبات میں تزلزل اور ڈگمگاہٹ کا شکار نہیں ہوئے اور مخالفین کی ستم رانیوں کے جواب میں مستانہ وار یہ نعرہ بلند کرتے رہے کہ "قرآنِ پاک غیر مخلوق ہے"۔ پھر زندگی بھر اس کا پرچار جاری رکھا ـــــ سنت کے ساتھ وابستگی،

اور محبتِ الٰہی میں سرشاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ "امام اہل سنت" کے لقب سے متعارف ہوئے اور رہتی دنیا تک آپ سے اس لقب کو جدا نہیں کیا جا سکتا ؎

مجھ کو مٹا سکیں نہ زمانے کی گردشیں،
گو میں نہیں رہا مرے نقشِ قدم رہے

حقیقت یہ ہے کہ امتِ مسلمہ میں امام احمدؒ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور جس ثبات و پامردی کا انہوں نے مظاہرہ کیا۔ ماننا ہے کہ وہ صرف توفیق الٰہی تھی اور یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد یہ سعادت شاید ہی کسی دوسرے کے حصے میں آئی ہو ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اسی لئے تو ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں:

"ان ابابکر وجد یوم الردۃ انصارا واعوانا وان احمد بن حنبل لم یکن لہ انصار واعوان"

"ارتداد کے فتنہ میں حضرت ابوبکرؓ کے معاون مددگار موجود تھے لیکن فتنہ خلقِ قرآن میں احمد بن حنبلؒ تن تنہا تھے، ان کا کوئی معاون اور مددگار نہ تھا" (تہذیب التہذیب)

فتنہ خلقِ قرآن میں امام احمدؒ کی ثابت قدمی پر بشر حافی خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ادخل احمد الکیر فخرج ذھبا احمرا"

"امام احمدؒ آگ کی بھٹی میں ڈالے گئے، جب باہر نکلے تو خالص چمکدار سونا تھے"

ہمیشہ سے یہ دستور چلا آیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کا ابتلاء ہوتا رہتا ہے اور انہیں مشکلات پیش آتی رہتی ہیں۔ لیکن وہ صراطِ مستقیم سے سرِمو انحراف نہیں کرتے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ جس وادی میں وہ چل رہے ہیں، وہ خارزار ہے۔ ان کے سامنے ان کے اسلاف کی زندگیاں نمونہ ہوتی ہیں جنہوں نے تند و تیز سیلاب کی خطرناک موجوں کے سامنے اپنے آپ کو لاکھڑا کیا اور ایمانی قوت کے ساتھ سیلاب کا رخ موڑ دیا۔ لیکن ان کے پاؤں میں ذرہ بھر جنبش

نہ آئی۔ یقیناً ان لوگوں کا امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے۔

محلال بن العلاء کا قول!

محلال بن العلاء۔ امام صاحب کی ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"منّ اللہ علی ھذہ الامۃ بأربعۃ فی زمانھم بشافعی تفقہ بحدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وباحمد ثبت فی المحنۃ و لولا ذالک لکفر الناس وبیحیی بن معین نفی الکذب عن حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبابی عبید فسر الغریب"

(تہذیب التہذیب جلد ۱، ص ۷۵)

"اس امت پر اللہ پاک نے چار انسانوں کو پیدا فرما کر احسان فرمایا ہے جو بہترین خصوصیات کے حامل تھے۔ امام شافعی ہیں تفقہ فی الحدیث کا ملکہ تھا۔ جبکہ امام احمدؒ ابتلاء میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ ثابت قدم نہ رہتے تو لوگ کفر کرتے۔ اور یحیٰی بن معین نے حدیث رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کذب کی تہمت کو ختم کیا اور ابو عبید نے حدیث کے غیر معروف الفاظ کی تفسیر کی ہے!"

جس طرح امام صاحب ان تینوں خلیفوں کے دور میں مسئلہ خلقِ قرآن میں ثابت قدم رہے اور ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کے لئے سینہ سپر رہے لیکن ان کے ظلم و ستم اور مار پیٹ وغیرہ کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے موقف سے لمحہ بھر بھی ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ انہیں تختہ دار پر کیوں نہ لٹکا دیا جائے۔ اسی طرح متوکل عباسی کے دور میں جب ان پر انعام و اکرام کی نوازشات ہوئیں اور شاہی خزانہ سے انہیں عطیات دیئے گئے تو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ علاوہ ازیں اپنے دو بیٹوں صالح اور عبد اللہ سے کلام کرنا چھوڑ دیا اور ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ وہ شاہی خزانوں سے عطیات لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس بات کو انہوں نے حق سمجھا اسی پر عمل پیرا رہے اور انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنی اس پاکیزہ روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

کتاب کے اردو ترجمہ کی ضرورت :

۱۳۹۷ھ میں اس گناہگار کو حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ اگرچہ بہ ظاہر وسائل تو نہ تھے۔ تاہم جب عزم کر لیا تو تمام گرہیں بفضلہٖ خود بخود کھلتی چلی گئیں اور نہایت مختصر وقت میں تیاری کر کے رختِ سفر باندھا اور ادائے حج اور زیارتِ مسجدِ نبوی کے لئے گھر سے نکل پڑا اور نہایت عجلت میں رات دن ایک کر کے "الرد علی الاخنائی" تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا اردو ترجمہ "روضۂ اقدس کی زیارت" کے نام سے طبع کروا کر چند نسخے ساتھ لے گیا لیکن پوری کوشش کے باوجود "حجۃ النبی" تالیف علامہ البانی کا ترجمہ طبع نہ ہو سکا۔ جس کا مجھے افسوس رہا۔ واپسی پر الحمدللہ وہ طبع ہو چکا ہے اور پہلا ایڈیشن تقریباً ختم ہونے والا ہے۔ راقم الحروف ان دنوں اس کوشش میں ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے، عقائد اور بعض اہم مسائل پر زیادہ سے زیادہ تحریر کر سکے۔ علاوہ ازیں بعض عربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مبارک سفر میں ایسی کتابوں کی جستجو رہی۔ خصوصاً علامہ البانی کی مستقل تصانیف یا ان کی تحقیق سے مزین جو کتاب مل سکی اسے خرید لیا۔ عزیزی عبدالمجید اصلاحی اور عبدالصمد سلفی (بنگلہ دیش) کے ساتھ کتابوں کی خرید کے سلسلہ میں مدینۃ الرسولؐ کے مکتبوں کی چھان بین کے لئے نکلے تو "ذکر محنۃ الامام احمد بن حنبلؒ" تالیف ابوعبداللہ حنبل بن اسحاق بن حنبل رحمہ اللہ نظر سے گزری۔ ترجمہ کی غرض سے اسے خرید لیا اور دل و دماغ سرشار تھا کہ اس موضوع پر اردو میں کچھ مواد ناظرین کی ضیافتِ طبع کا باعث بنے گا۔ اور امام احمدؒ کی سنت سے محبت کی کیفیت نکھر کر سامنے آجائے گی اور کتاب کے مطالعہ سے اہلِ سنت اس حقیقت کے انکشاف پر یقیناً مسرت محسوس کریں گے کہ امام احمد بن حنبلؒ کو دیگر ائمہ سے ممتاز حیثیت میں امامِ اہلِ سنت کے لقب کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے۔ اور کس طرح انہوں نے مصائب و آلام کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ اور خلقِ قرآن جیسی بدعت کو دین میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے مضبوط چٹان کی طرح اس کی راہ میں حائل ہو گئے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ پرخلوص جذبۂ محبت نے مجھے اس کے ترجمہ پر آمادہ کیا۔ اور میں پر امید ہوں کہ اس جذبہ کے پیش نظر مجھے اہلِ سنت سے شمار کیا جائیگا۔ اور

چونکہ امام احمد بن حنبلؒ نے خلقِ قرآن جیسی بدعت کو دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے اپنی تمام تر قوتوں کو صرف کیا ان کے ساتھ تعلقِ خاطر کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ پاک سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلائے۔ اور آئے دن بدعتِ حسنہ کے نام سے جو بدعتیں، دینِ اسلام میں داخل کی جارہی ہیں اور اس طرح اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے اس کی روک تھام کیلئے توفیق ارزانی فرمائے۔

"ذکر محنۃ الامام احمد بن حنبلؒ کو ابو عبداللہ حنبل بن اسحاق بن حنبل، جو امام احمدؒ کے چچازاد بھائی ہیں، نے جمع کیا اور سند کے ساتھ تمام واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے ان کی ثقاہت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق اور طباعت میں ڈاکٹر محمد نغش کا، جو ان دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاذ ہیں، شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، انہوں نے مسودہ تلاش کیا پھر اس پر محنت کی اور نہایت عرق ریزی اور چھان بین کے بعد کتاب کو طباعت کی منزل تک پہنچایا۔ کتاب کے شروع میں انہوں نے امام صاحب کے دورِ ابتلاء پر مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس سے اصل کتاب کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔

راقم الحروف نے بھی شروع میں ان کی مختصر سیرت اور ان کے دورِ ابتلاء پر چند سطور ثبتِ قرطاس کی ہیں جن کے مطالعہ سے امام صاحب کی عظمتِ شان اور ان کی سنت کے ساتھ والہانہ محبت کا اندازہ ہوسکے گا کہ کس طرح آپؒ نے سنت کے احیاء کے لیے اپنے آپ کو تکالیف و محن کے سپرد کردیا ؎

تمنت سلیمی ان نموت بحبها
واهون شیئ عندنا ما تمنت

احباب و رفقاء کا شکریہ:

آخر میں ان احباب و رفقاء کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ، تصحیح، کتابت و طباعت وغیرہ کے سلسلہ میں خصوصی تعاون فرمایا اور مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ میں ان کا تہ دل سے ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ پاک بندۂ عاجز کی اس کوشش کو بھی اسی طرح

شرفِ قبولیت سے نوازے گا اور اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ اسے کامیابی سے ہمکنار فرمائیگا جو اس سے قبل راقم کے دیگر تراجم کو حاصل ہو چکی ہے —————— ولله الحمد والمنة

وافوض امری الی الله والله رؤف بالعباد! والسلام!

محمد صادق خلیل، مدیر ضیاء السنۃ، ادارۃ الترجمۃ والتالیف

رحمت آباد - فیصل آباد

۹ شعبان ۱۳۹۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھدیہ وتمسک بسنتہ الی یوم الدین ۔

امابعد: جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صراط مستقیم کے اختیار کرنے اور اس سے دفاع کے دوران مصائب جھیلنے کے ساتھ ساتھ حلم و عفو اختیار کرنے میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے کیا یہ حقیقت نہیں کہ دعوت وارشاد کے میدان میں طائف کے بچوں نے آپ کا جلوس نکالا' آپ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ زخمی ہو گئے۔ پاؤں سے خون بہنے لگا اور مسجد الحرام میں جب آپ بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز تھے تو آپ کے کندھوں پر اونٹ کا اوجھ رکھ دیا گیا۔ بس اسی پر اکتفا نہیں بلکہ آپ اور آپ کے قبیلہ بنو ہاشم کا اقتصادی بائیکاٹ کر دیا گیا اور تمام کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا اس کے علاوہ آپ کو مختلف قسم کی اذیتوں میں مبتلا رکھا گیا بالآخر آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا لیکن آپ پر نہ تو گھبراہٹ کے آثار دکھائی دئیے اور نہ ہی جادۂ اعتدال سے آپ کے پاؤں ڈگمگائے اور نہ ہی اپنا موقف چھوڑ کر ان سے مصالحت کرنے پر آمادہ ہوئے اور جب اس راہ میں کفار کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے ترغیب و تحریص کے حیلے اختیار کئے اور آپ سے بادشاہ بننے کی درخواست کی اور کہا کہ جس قدر مال و دولت کی ضرورت ہو ہم آپ کے لیے فراہم کیے دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اس نئے دین کی دعوت سے باز آجائیں آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا بخدا اگر تمہاری استطاعت میں ہو کہ تم سورج میرے دائیں ہاتھ اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں تھما دو اور مجھ سے اس دین کے چھوڑنے کا مطالبہ کرو تو میں کبھی بھی اس دین سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں اس کا پرچار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس

دین کو غلبہ عطا فرمائے گا یا بصورت دیگر اس کے غلبہ کے لیے کوشش کرتا ہوا میں اپنی جان تک اس پر فدا کر دوں گا۔

جس طرح آپ زندگی بھر دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں کوشاں رہے اور آپ نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اسی طرح آپ کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جان نثاروں کا مقدس گروہ ہر دور میں موجود رہا جنہوں نے پامردی کے ساتھ باطل کو شکست دی اور آپ کے بتائے ہوئے لائحہ عمل پر گامزن رہے اگر انہیں عقائد کی اشاعت میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو اس کو انہوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا اور ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے سے نہ ہچکچائے اور نہ ہی ان کے جسم پر کپکپی طاری ہوئی، تند و تیز آندھیوں کے جھونکے ان کو چلنے سے نہ روک سکے اور وہ خوفناک دھماکہ خیز طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے تاآنکہ فضائے بسیط پر کفر و شرک کی تاریکی کے چھا جانے والے بادل کافور ہو گئے حق کو کامرانی نصیب ہوئی اور باطل دم دبا کر بھاگ گیا۔

امام احمد بن حنبل کا عزم و ثبات

اس راست باز اور پاکباز گروہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کا بھی شمار ہوتا ہے جو امام اہل السنت کے لقب سے معروف ہیں ان کے عہد میں جب خلق قرآن کا مسئلہ فتنہ کی شکل اختیار کر گیا اور اس وقت کے بعض علماء و فقہاء اس کی اشتعال انگیزی سے محفوظ نہ رہ سکے تو جو علماء اس کی لپیٹ میں آنے سے محفوظ رہے ان میں حضرت امام احمد بن حنبل سرفہرست ہیں وہ نہ صرف یہ کہ صبر و ثبات کا پیکر دکھائی دیتے ہیں اور بپھرے ہوئے سیلاب کی تند و تیز موجوں کے سامنے چٹان ثابت ہوتے ہیں بلکہ اس کے دفاع میں ان کا کردار مثالی حیثیت رکھتا ہے ان کی ایمانی قوت پہاڑ بن کر موجوں کا منہ پھیر دیتی ہے اور وہ ایک طرف تو اسلام کے عقائد کے احیاء کے لیے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کی بیخ کنی کے لیے جو تحریکیں چلتی ہیں۔ ان کے وجود کو صفحہ ہستی سے ہٹانے کے لیے میدان عمل میں کودتے ہیں اور اپنی مردانگی کے جوہر دکھاتے ہیں اگرچہ شرعاً انہیں اجازت تھی کہ وہ ایسے دشمن سے نبرد آزما نہ ہوں۔ جس کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں لیکن وہ شجاعت و مردانگی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے

خود کو ان کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ تاریخ عالم کے صفحات اس قسم کے واقعات سے اولاً تو خالی نظر آتے ہیں یا پھر معدودے چند افراد اس بلند مقام پر فائز نظر آتے ہیں ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس حقیقت سے انکار کرنا بہت مشکل ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کا وجود چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے جس کی روشنی سے تاریکی چھٹ جاتی ہے اور مسئلہ خلق قرآن کی باہمی آویزش میں وہ میدان کارزار میں بہادر جرنیل کی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ کودتے ہیں اور ان کی معرکہ آرائی کے سامنے تمام مخالفین میدان سے بھاگ جاتے ہیں۔ اور وہ تن تنہا قرآن پاک کے غیر مخلوق ہونے کا نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے بپھرے ہوئے شیر کی طرح میدان کارزار کے تمام گوشوں میں سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں اور تماشائیوں کے دل پر ان کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور تحسین و آفریں کے نعروں سے فضا گونجنے لگتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں مسئلہ خلق قرآن کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل کا ذکر نہ کرنا بہت بڑی بے انصافی ہے

اس کتاب میں ان کی قیمتی زندگی کی تصویر کشی بہترین انداز میں پیش کی گئی ہے جس سے ان کی بے مثال شجاعت کے سامنے مخالفین کی صفوں میں بھگدڑ مچ جاتی ہے جس طرح کہ حق و باطل کی معرکہ آرائی کی صحیح تصویر کی عکاسی قرآن پاک میں مذکور ہے

فاما الزبد فيذهب جفاءً   سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور
واما ما ينفع الناس فيمكث   پانی جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین
في الارض [1]   میں ٹھہرا رہتا ہے۔

اس میں مخالفین کے جبر و قہر ظلم و ستم، قید و بند کی دلخراش داستان کے ساتھ ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل کی ایمانی قوت، ضمیر کی بیداری، حق و صداقت کی بے محابا حمایت بدعات خرافات منکرات کی تردید میں مستانہ خیز نعروں کا ناقابل فراموش حقائق کا ایمان افروز تذکرہ بھی ملتا ہے۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں ظالم حکومت کے خلاف اعلان کیا کہ ظالم حکمران اپنی بدکرداریوں، خباثتوں کے نتیجہ میں اپنی موت آپ مر جاتے ہیں ان کی آرزوں کا لہلہاتا ہوا باغ

---

[1] رعد ۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین الهادی الی الصراط المستقیم والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہ واصحابہ والتابعین الی یوم الدین اما بعد،

سن ۱۳۹۶ھ ہجری موسم گرما میں جب مجھے جزیرہ نا ٹالاند اور آسٹریلیا میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی جانب سے دعوت وارشاد کے سلسلہ میں سفر اختیار کرنا پڑا تو اثنا سفر قاہرہ میں میری ملاقات حضرت الاستاذ عبد العزیز عبد الحق سے ہوئی، وہاں اقامت کے دوران میری نظر امام احمد بن حنبل کے ابتلاء پر ایک نادر مخطوطہ پر پڑی فضیلۃ الاستاذ عبد العزیز عبد الحق نے اس کو مخطوطہ رقم ۲۰۰۰ دار الکتب مصریہ کے مکتبہ تیموریہ سے نقل کیا معلوم ہوا کہ وہ تقریباً بیس سال سے اس پر تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن مخطوطہ کچھ صاف نہ تھا اور بعض سطریں مٹی ہوئی تھیں اور دمشق کے مکتبہ ظاہریہ کے نسخہ کو حاصل کرنا مشکل تھا۔ اس لیے وہ اس کو ایڈٹ نہ کر سکے میرا شوق دیکھ کر انہوں نے مخطوطہ مجھے ہدیۃً پیش کیا تو میں نے فوراً مکتبہ ظاہریہ کے ناظم کے ساتھ رابطہ قائم کیا جنہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کا دوسرا حصہ میری جانب رجب کہ میں مدینہ منورہ واپس چلا گیا بھیجا لیکن جب حصہ اول کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تحقیق کا کام تشنہ تکمیل نظر آیا تو میں نے کتاب میں مذکورہ شخصیتوں شہروں ملکوں اور واقعات کی صحت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے پچاس سے زیادہ مراجع کی طرف رجوع کیا اور ان سے استنباط کر کے کتاب کو تکمیل سے ہمکنار کیا آیات، احادیث کی تخریج کی اور متن کی تصحیح اور ضبط میں پورے احتیاط سے کام لیا اور اگر فضیلۃ الاستاذ عبد العزیز عبد الحق متن پر اپنے قلم سے علامات نہ لگاتے اور اس کو ذیلی سرخیوں سے مزین نہ فرماتے اور بعض تحریفات کی تصحیح کا اہتمام نہ فرماتے تو شاید میں اس علمی کام کی تکمیل نہ کر سکتا پھر اس مخطوطہ کی اہمیت نے بھی مجھے اس کی تحقیق پر آمادہ کیا جب کہ اس کے راوی حنبل بن اسحاق امام احمد بن حنبل کے چچازاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین الهادی الی الصراط المستقیم والصلوٰة والسلام علی اشرف المرسلین محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ والتابعین الی یوم الدین اما بعد،

سن ۱۳۹۶ھ ہجری موسم گرما میں جب مجھے جزیرہ تا ملاند اور آسٹریلیا میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی جانب سے دعوت وارشاد کے سلسلہ میں سفر اختیار کرنا پڑا تو اثنا سفر قاھرہ میں میری ملاقات حضرت الاستاذ عبدالعزیز عبدالحق سے ہوئی، وہاں اقامت کے دوران میری نظر امام احمد بن حنبل کے ابتلاء پر ایک نادر مخطوطہ پر پڑی فضیلۃ الاستاذ عبدالعزیز عبدالحق نے اس کو مخطوطہ رقم ۲۰۰۰ دارالکتب مصریہ کے مکتبہ تیموریہ سے نقل کیا معلوم ہوا کہ وہ تقریباً بیس سال سے اس پر تحقیق کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن مخطوطہ کچھ صاف نہ تھا اور بعض سطریں مٹی ہوئی تھیں اور دمشق کے مکتبہ ظاہریہ کے نسخہ کو حاصل کرنا مشکل تھا۔ اس لیے وہ اس کو ایڈٹ نہ کر سکے میرا شوق دیکھ کر انہوں نے مخطوطہ مجھے ہدیۃً پیش کیا تو میں نے فوراً مکتبہ ظاہریہ کے ناظم کے ساتھ رابطہ قائم کیا جنہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کا دوسرا حصہ میری جانب رجب کہ میں مدینہ منورہ واپس چلا گیا) بھیجا لیکن جب حصہ اول کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے تحقیق کا کام تشنہ تکمیل نظر آیا تو میں نے کتاب میں مذکورہ شخصیتوں شہروں ملکوں اور واقعات کی صحت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے پچاس سے زیادہ مراجع کی طرف رجوع کیا اور ان سے استنباط کر کے کتاب کو تکمیل سے ہمکنار کیا آیات، احادیث کی تخریج کی اور متن کی تصحیح اور ضبط میں پورے احتیاط سے کام لیا اور اگر فضیلۃ الاستاذ عبدالعزیز عبدالحق متن پر اپنے قلم سے علامات نہ لگاتے اور اس کو ذیلی سرخیوں سے مزین نہ فرماتے اور بعض تحریفات کی تصحیح کا اہتمام نہ فرماتے تو شاید میں اس علمی کام کی تکمیل نہ کر سکتا پھر اس مخطوطہ کی اہمیت نے بھی مجھے اس کی تحقیق پر آمادہ کیا جب کہ اس کے راوی حنبل بن اسحاق امام احمد بن حنبل کے چچازاد

بھائی بنتے۔

افادیت کے پیش نظر میں نے اولاً امام احمد بن حنبل کے دورِ ابتلاء کی روئداد سپردِ قلم کی ہے پھر ان کی سیرت پر مختصر نوٹ پیش کئے ہیں تاکہ ان کے مطالعہ سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو بدعات، خرافات میں مبتلا ہیں اور انہیں امام احمد بن حنبل کے علو مرتبت سے آگاہی حاصل ہو کہ کس طرح انہوں نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان کو مصائب کے حوالہ کیا اور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر کرتے ہوئے ان کو اور ان کے مخلص متبعین کو غلبہ عطا فرمایا اور کامیابی سے ہمکنار کیا میں اللہ پاک سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر امام پر کتاب مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ جس طرح اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان باہمی آویزش میں امام احمد بن حنبل مشکلات پر صبر کرتے ہیں اور انہیں کامیابی حاصل ہوتی ہے اور کس طرح حق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے اور اس کی کرنوں سے فضائے بسیط روشن ہوتی ہے اور کس طرح اللہ کے فضل و کرم سے سنت کا مقام بلند ہوتا ہے اور اس کے جھنڈے اکناف عالم میں لہراتے ہیں۔

محمد نغش

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

پہلا باب

مامون عباسی محرم اور دوسری روایت کے لحاظ سے رجب ۱۹۸ھ میں عنان حکومت سنبھالتے ہیں معتزلہ ان کے عہد میں دیگر بدعات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ ان کے ذریعہ اپنے معتقدات کی اشاعت میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں جن کو انہوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنا ساتھی بنالیا تھا اور وہ بھی خلق قرآن کے مسئلہ میں شد و مد کے ساتھ ان کی حمایت میں سرگرم عمل تھا عوام بھی ان کی غوغا آرائی سے متاثر ہو کر ان کے ہمنوا بنتے جارہے تھے جب امام احمد بن حنبل نے ضلالت و گمراہی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھا تو وہ پوری قوت کے ساتھ باطل قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں نکلتے ہیں اور ان کا جذبہ صادقہ جب جوش میں آتا ہے تو ان کے سامنے معتزلہ اور ان کی بدعات خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں۔

مامون عباسی اپنی زندگی کے آخری سال میں رومیوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے بغداد سے روانہ ہوتے ہیں تو بغداد کے گورنر اسحاق بن ابراہیم کے نام پیغام بھجواتے ہیں کہ تمام لوگوں کو خلق قرآن کے مسئلہ کی دعوت دی جائے چنانچہ اسحاق نے علماء قضاۃ ائمہ حدیث کو ایک مجلس میں اکٹھا کیا اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی لیکن سب نے انکار کیا جس پر وہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔[1]

امام احمد بن حنبل کو بیڑیاں پہنائی گئیں

مامون اور اس کے ہمنوا کاسہ لیس علماء سو، جب دلائل کے میدان میں شکست کھا گئے اور امام احمد بن حنبل کو مسئلہ خلق قرآن میں خاموش نہ کرا سکے تو مامون حکم دیتا ہے

---

[1] المنہج الاحمد صہ ۲۱

کہ امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح کو بیڑیاں پہنا کر عدالت میں حاضر کیا جائے چنانچہ حکم کی تعمیل میں انہیں بیڑیاں پہنا کر ان کی جانب روانہ کیا گیا امام محمد بن نوح راستے میں ہی فوت ہو جاتے ہیں امام احمد اس کا جنازہ پڑھتے ہیں اور تن تنہا روانہ ہوتے ہیں ابھی امام احمد سفر میں تھے کہ مامون غیظ و غضب کے عالم میں پکار اٹھتا ہے کہ اگر یہ شخص قرآن کو مخلوق تسلیم نہ کرے تو اس کو مختلف النوع آلام و مصائب میں گرفتار رکھا جائے اگر پھر بھی باز نہ آئے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ امام احمد بن حنبل راستے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ میری اس کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابھی آپ وہاں پہنچنے نہ پائے تھے کہ چیختے چلاتے ہوئے لوگ ان کے پاس آئے کہ مامون فوت ہو گیا ہے وہ رجب ۲۱۸ھ میں فوت ہوا اس پر انہیں بغداد واپس لے جایا گیا اور جیلخانہ میں محبوس کر دیا گیا۔

معتصم کے عہد میں ان پر ظلم و ستم کی داستان

مامون کی وفات کے بعد ابو اسحاق محمد بن ہارون رشید المعتصم تخت خلافت پر متمکن ہوتا ہے رمضان ۲۱۸ھ میں روم سے واپس بغداد میں داخل ہوتا ہے وہ بھی مامون کے نقش قدم پر چلتا ہے اس کے حکم سے اس کے سامنے امام احمد بن حنبل پر مار پیٹ کا بازار گرم کیا جاتا ہے لیکن امام عالی مقام اس امتحان میں ثابت قدم رہتے ہیں اور ان کی ایمانی قوت میں ذرہ بھر تزلزل رونما نہیں ہوتا۔

اس خوفناک منظر کا مشاہدہ کرنے کے لیے عوام الناس کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ خلیفہ معتصم اور اس کے اعوان و انصار اپنی اپنی مسندوں پر براجمان ہیں۔ امام احمد کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں۔ ان کو خوفزدہ کرنے کے لیے تلواریں میانوں سے باہر چمک رہی ہیں نیزے سلیقے سے رکھے ہوئے ہیں۔ لاٹھیوں کے گٹھے موجود ہیں سجی ہوئی ڈھالیں ترتیب سے رکھی ہوئی ہیں لیکن امام احمد بن حنبل ان تمام چیزوں کو اجنبی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کو پرکاہ کی حیثیت دیتے ہوئے گرجدار آواز میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دلائل قاطعہ پیش کرتے ہیں اور مسکت جوابات سے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتے ہیں وہ ان مادی ہتھیاروں کے مقابلے میں کتاب و سنت جیسے روحانی ہتھیار (دل)

کا سہارا لیتے ہیں جالقر وشی کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت کا سوال کرتے ہیں اور اس کی رضا جوئی کے لیے ان کی ستم رانیوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور ان کے دلائل کا تسلسل ختم ہونے میں نہیں آتا معتصم خاموش ہے اس میں جواب دینے کی سکت نہیں ہے اور وہ دل ہی دل میں اعتراف کرتا ہے کہ ہم اس میں ناکام رہے ہیں پھر فوراً ہی حکم دیتا ہے کہ ملک کے اطراف واکناف سے جید علماء قضاۃ کو بلایا جائے اور اسی مسئلہ پر ان سے مناظرہ کیا جائے چنانچہ ان کے حکم سے مجلس مناظرہ قائم کی گئی تین دن تک مناظرہ ہوتا رہا جب حضرت امام احمد بن حنبل دلائل کے میدان میں ان پر فوقیت لے جاتے ہیں تو ابن ابی دؤاد اور بشر مریسی دونوں خلیفہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اس کے قتل کا حکم نافذ کریں تاکہ ہمیں آرام نصیب ہو ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے معتصم جلادوں کو حکم دیتا ہے کہ پورے زور کے ساتھ آپ کو کوڑے مارے جائیں جلاد کمر بستہ ہو کر پورے زور کے ساتھ ان پر کوڑوں کی بارش کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ وہ اپنے عقیدے سے باز آجائے اور قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرے لیکن وہ مستقبل مزاجی کے عالم میں صرف یہ الفاظ کہتے ہیں کہ میرے سامنے کتاب وسنت سے کوئی دلیل لاؤ تو میں کہنے کے لیے تیار ہوں۔ امام احمد بن حنبل پر مسلسل کوڑوں کی بارش ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ ان کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں اس پر بھی وہ کوڑے برسانے سے باز نہیں آتے کچھ وقت کے بعد جب وہ ہوش میں آتے ہیں تو ابن ابی داؤد ان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے احمد! بس میرے کان میں کہہ دو کہ قرآن مخلوق ہے تو میں تجھے اس اذیت ناک عذاب سے رستگاری دلا سکتا ہوں۔

امام احمد بن حنبل جواب دیتے ہیں اے ابن ابی داؤد تم میرے کان میں کہہ دو کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے تو میں تجھے اللہ کے عذاب سے نجات دلا سکتا ہوں۔ معتصم نے جب یہ مکالمہ سنا تو حکم دیا کہ اسے جیل میں محبوس کر دیا جائے۔ اس طرح دردناک مار پیٹ کا یہ منظر ختم ہوتا ہے اور تماشائی اپنے گھروں کا رخ کرتے ہیں[1]

---

[1] المنہج الاحمد ج ا ص ۳۵۔

ایک جلاد کا بیان

امام احمد بن حنبل اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم میں صبر کا دامن تھامے رکھتے ہیں چنانچہ ایک جلاد کا بیان ہے :-

میں نے امام احمد بن حنبل کی پیٹھ پر اسی کوڑے لگائے اگر کسی ہاتھی کو اتنے کوڑے لگ جائیں تو وہ بھی اپنے ہوش وحواس قائم نہ رکھ سکے[1]۔ اس میں اختلاف ہے کہ کس سال ان پر مظالم کیئے گئے النجوم الزاھرۃ میں سنہ ۲۱۹ھ کا ذکر ہے[2]۔ علیمی نے بھی سنہ ۲۱۹ھ کی تائید کی ہے[3]۔ مگر ابن خلکان نے سن سنہ ۲۲۰ھ رمضان کے آخری عشرہ کا ذکر کیا ہے[4] لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ سن سنہ ۲۱۹ھ کا ہے جیسا کہ اس کتاب میں بھی یہی مرقوم ہے جس کے راوی امام احمد بن حنبل کے چچا زاد بھائی ہیں۔

امام احمد بن حنبل اڑھائی سال تک قید وبند کی مصیبتیں جھیلتے رہے جب کہ مامون کے عہد سلطنت میں انہیں گرفتار کیا گیا اور بالآخر سن سنہ ۲۲۰ھ رمضان میں انہیں رہا کر دیا

اسلام میں تقیہ کا جواز

مسلم ریاست میں منکرات دیکھ کر خاموش رہنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اگر منکرات کے خلاف محاذ آرائی نہ کی جائے گی تو اسلام کا روشن چہرہ مسخ ہو جائے گا ہاں اگر کسی ملک میں اسلام کو قوت حاصل نہ ہو مسلمانوں کو کمزور سمجھا جاتا ہو اور مسلمان وہاں سے نکلنے پر بھی قادر نہ ہوں تو ایسی صورت میں تقیہ اختیار کرنا اور دین کو چھپانا بصورت مجبوری جائز ہے اس لیے کہ شرعاً تکلیف مالایطاق جائز نہیں البتہ وہ ائمہ کرام جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور جن کی راہ نمائی عوام الناس میں سند کی حیثیت رکھتی ہے ان کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ تقیہ کے پس پردہ ہو کر شریعت حقہ کے اظہار میں کسی قسم کی کوتاہی کریں۔ ظاہر ہے اگر وہ شریعت کے حقائق چھپائیں گے تو خطرہ ہے کہ کہیں عوام الناس غیر شریعت کو شریعت نہ سمجھنے لگیں۔ اس سے معاشرہ میں فساد رونما ہو جائے گا لہٰذا علماء امت کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنگین قسم کے حالات میں بھی دین حق کی اشاعت سے باز نہ آئیں اور اشاعت دین کے راہ میں بڑی سے بڑی

---

[1] المنہج الاحمد ص ۳۶ ج ۱ [2] ابن تغری بردی ص ۲۳۰ ج ۲ [3] المنہج الاحمد ص ۳۱ ج ۱ [4] وفیات الاعیان ص ۴۸ ج ۱

آزمائش میں پورا اترنے کی کوشش کریں[1] اور جہاں تک ممکن ہو اسلام کے جھنڈے کو سرنگوں نہ ہونے دیں اس طرح اسلام کے عقائد کو فروغ حاصل ہو گا اور اہل بدعت کے مقدر میں رسوائی ثبت ہو گی۔

امام احمد کا عفو و درگذر

امام احمد بن حنبل جیل کی چار دیواری میں محبوس ہیں مصائب و آلام میں گرفتار ہیں اس سے زیادہ مصائب جھیلنے کی طاقت نہیں لیکن اپنے نظریات میں تزلزل کا تصور تک بھی نہیں پاتے وہ درگذر فرماتے ہیں معتصم سے الجھتے نہیں ہیں اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے دشمن کو معاف فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

ولیعفوا ولیصفحوا الا	ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگذر کریں
تحبون ان یغفر اللہ لکم[2]	کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے

نیز فرمایا۔

فمن عفا واصلح فاجرہ	مگر جو درگذر کرے اور (معاملے کو) درست
علی اللہ[3]	کر دے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمے ہے

امام احمد بن حنبل، واثق کے عہد میں

معتصم کی وفات کے بعد ربیع الاول ۲۲۷ھ میں واثق تخت خلافت پر متمکن ہوا اس نے حالات کا جائزہ لیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ امام احمد جیسے ٹھوس، مضبوط، راسخ العقیدہ انسانوں پر قافیہ حیات تنگ کرنا اور انہیں زدوکوب کرنا مفید نہیں یہ لوگ اپنے عزائم سے باز آنے والے نہیں ہیں پس ان کو ختم کرنا ممکن نہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ البتہ اپنے غم وغصہ کو فرو کرنے کے لیے اس نے محمد بن ابی اللیث کو حکم دیا کہ امام احمد کے متبعین کو تختہ مشق بنایا جائے؛ چنانچہ حکم ملتے ہی اس نے محدثین، فقہاء، معلمین بلکہ مؤذنین تک کو گرفت میں لیا اور ان پر طرح طرح کے مظالم روا کر رکھے گئے اور انہیں سخت مشکلات میں ڈال دیا گیا۔ نتیجۃً اکثر

---

[1] احمد بن حنبل ص ۹۷ [2] النور ۲۲ [3] الشوریٰ ۴۰

لوگ روپوش ہو گئے اور باقی ماندہ لوگوں کو پس دیوار زنداں کر دیا گیا اور مساجد میں لا الٰہ إلا اللہ رب القرآن المخلوق کے کتبے لگا دیئے گئے امام مالک، امام شافعی کے نقطہ نظر کا پرچار کرنے والے فقہاء کا مساجد میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔[1]

امام احمد بن حنبل کو بھی ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور ان پر پابندیاں عائد کر دی گئیں؛ چنانچہ واثق کی وفات تک امام احمد بن حنبل نظر بندی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

اس کی وفات کے بعد امام احمد اور ان کے جاں نثار رفقاء کی قربانیاں بار آور ہوتی ہیں۔ ان کی آواز کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور ان کے مخالفین عبرتناک شکست سے دوچار ہوتے ہیں اور انہیں سر چھپانا مشکل ہو جاتا ہے۔

امام احمد، متوکل کے عہد میں

واثق باللہ کی وفات کے بعد ذی الحج ۲۳۲ھ میں متوکل خلافت کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ عقائد میں مامون، معتصم، واثق کے خلاف ہیں اور قرآن پاک کو مخلوق تسلیم کرنے والوں پر شدید طعن کرتے ہیں لیکن اس مسئلہ پر مناظرہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ حدیث کی اشاعت کا نہ صرف خود پرچار کرتے ہیں بلکہ اس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں لگاتے ان کی مساعی جمیلہ ثمر آور ہوئیں۔ سنت کا باغیچہ پھر بار آور ہوا اور بدعت کی فسوں کاریوں سے رستگاری حاصل ہوئی خلق قرآن کے مسئلہ نے فضائے بسیط کو غبار آلود کر دیا تھا انہوں نے تاریکی کے بادلوں کو ملیا میٹ کر دیا اور حدیث کی شعاؤں سے تاریکی کی بسیط تہوں کو تلپٹ کر دیا اس مسئلہ کی پاداش میں جو لوگ جیل کی سلاخوں میں بند تھے انہیں رہا کر دیا گیا اور لوگوں پر عائد پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ مسرتوں خوشیوں کے نغمے الاپے جانے لگے اور قرآن کو مخلوق کہنے والے گروہ کے سرغنہ وزیر محمد بن عبد الملک کو گرفتار کر کے کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۳۳ھ ہجری میں فوت ہو گیا اس کی وفات کے سینتالیس دن بعد احمد بن ابی داؤد پر فالج کا حملہ ہوا تو قضا کے منصب پر اس کے بیٹے ابو الولید محمد کو متمکن کیا گیا لیکن اس کے رہنے کا طور طریقہ پسندیدہ نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس

---

[1] ضحی الاسلام ج ۳ ص ۱۸۴۔

کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دینے والوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن اس کے مداحوں کی تعداد نہایت قلیل تھی اس کے حق میں حالات کی ناسازگاری دن بدن زیادہ ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ متوکل کی نظروں میں احمد بن ابی داؤد اور اس کے بیٹے کی کچھ حیثیت باقی نہ رہی اس کی تمام غیر منقولہ جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی ۲۳۹ھ میں اس کی تجوریوں سے ایک لاکھ بیس ہزار دینار اور جواہرات (جن کی مالیت چالیس ہزار دینار تھی) چھین لئے گئے اور اس کو سر من رائے سے بغداد کی جانب روانہ کر دیا۔ منصب قضا پر یحییٰ بن اکثم کو بٹھا دیا گیا جو اہل سنت علماء سے شمار ہوتے تھے محرم سن ۲۴۰ھ میں احمد بن ابی داؤد فوت ہو گیا اور اس کی وفات سے بیس روز قبل اس کا لڑکا محمد فوت ہو گیا اور بشر مریسی تو ان سے بہت پہلے سن ۲۱۸ھ یا دوسری روایت کے مطابق سن ۲۱۹ھ میں عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر فوت ہوا۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل کے مخالفین میں سے ابو العروق جو انہیں کوڑے لگاتا تھا ان کے بارے میں عمران بن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ پینتالیس روز کتوں کی طرح بھونکتا رہا۔[1]

امام احمد کا زہد و ورع

متوکل کا عہد خلافت امام احمد بن حنبل کے لیے مسرتوں اور خوشیوں کا خوش کن پیغام لایا تھا مال و دولت کو ان کے قدموں میں ڈھیر کیا جا رہا تھا۔ انہیں بلند منصب پر متمکن ہونے کی پیش کش ہو رہی تھیں۔ خلعت و مرتبت سے نوازا جا رہا تھا۔ رہائش کے لیے آرام دہ خوشنما محلات پیش کیے جا رہے تھے لیکن وہ ان تمام دینوی جاہ و جلال اور مال و منال سے اجتناب کر رہے تھے انہیں نہ تو شاہی محلات میں رہائش کا شوق تھا اور نہ ہی فاخرہ لباس زیب تن کرنے کی کوئی خواہش ان میں موجود تھی نہ ہی کام و دہن کی لذتوں سے آشنا ہونے کے لیے مرغن اور لذیذ کھانوں کی طرف ان کی نگاہ اٹھتی تھی وہ تو دنیا اور اس کی زیبائشوں، آرائشوں سے یکسر منہ پھیر چکے تھے ان کے دل و دماغ میں دنیا کی قدر و منزلت پر کاہ کے برابر بھی نہ تھی ان کی توجہ تو محض آخرت اور اس کی نعمتوں پر لگی ہوئی تھی جن کے بارے میں آنحضرت

---

[1] المنہج الاحمد ص ۳۹-۴۰۔

کا فرمان ہے کہ ان کو کسی کی نہ آنکھوں نے دیکھا نہ ان سے کسی کے کان آشنا ہیں اور نہ کہیں کسی کے وہم وگمان میں آئی ہیں۔ وہ اس قدر مصائب میں الجھے رہنے کے بعد کیسے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی آلائشوں سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اگر انہوں نے شاہی محلات سے آنے والے عطیات کو قبول کیا ہے تو صرف اس لیے کہ وہ اس معمولی بات سے خلیفہ کو ناراض کرنا مناسب خیال نہیں کرتے تھے اور پھر عطیات قبول کرنے کے بعد صدقہ فرما دیتے تھے اسی طرح جب خلیفہ کی جانب سے ان کی خدمت میں مرغن کھانا بھیجا جاتا تو اگرچہ انہیں اس کی ضرورت ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس سے ایک لقمہ بھی نہ اٹھاتے تھے اصل بات یہ ہے کہ ان کے دل میں استغنار تھا اور وہ اس کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے کہ دراصل وہی لوگ ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں جن کے دل استغنا کی دولت سے معمور ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن امام احمد کا بیان

امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ متوکل نے والد مکرم کی طرف پیغام بھیجا کہ میں آپ کے دیدار کا متمنی ہوں اور آپ کی دعاؤں کا تبرک چاہتا ہوں لہٰذا آپ قدم رنجہ فرمائیں چنانچہ ان کی دعوت پر ہم وہاں پہنچے تو اس نے ہماری رہائش کے لیے اپنے قریب ایک بہترین محل کا انتخاب کیا۔ جہاں سے وہ باریک کپڑے کی چادر میں سے دیکھ رہا تھا؛ چنانچہ متوکل کے ایک حاشیہ بردار کا بیان ہے کہ جب امام احمد محل میں وارد ہوئے تو متوکل نے اپنی والدہ سے کہا کہ امام احمد کے محل میں داخل ہوتے ہی محل بقعۂ نور بن گیا؛ چنانچہ وہ اٹھا اور ان کی خدمت میں فاخرانہ لباس اور دراہم پیش کر دیئے لیکن ان کی نگاہ میں ان چیزوں کی قدر و منزلت نہ تھی وہ ان کو دیکھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ ساٹھ سال تک تو میں اس ابتلاء سے محفوظ رہا۔ اب عمر کے آخری حصہ میں اس فتنہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ وہ فاخرانہ لباس اور دراہم کو پاتے استحقار سے ٹھکرا دیتے ہیں اور ان کو ہاتھ تک نہیں لگاتے اس کے بعد متوکل نے ان کی خدمت میں کثیر مال ہدیہ بھیجا پہلے

تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا کافی ردوکد کے بعد ان کی ناراضگی سے بچتے ہوئے قبول تو کر لیا لیکن مستحق افراد میں تقسیم کر دیا اور خود ایک پیسہ بھی نہ اٹھایا۔[1] اس طرح دن بدن امام کا مرتبہ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ خلیفہ متوکل ان کے مشورہ کے بغیر کسی کو نہ معزول کرتا اور نہ ہی کسی کو کوئی منصب سونپتا۔ اور زندگی بھر شاذ و نادر کوئی دن ایسا ہوگا جس دن خلیفہ کسی اہم امر پر مشورہ کے لئے ان کی جانب پیغام نہ بھیجتے ہوں۔

امام مشکلات کے بھنور میں

امام احمد زندگی بھر مشکلات کے بھنور میں رہے خلیفہ ماموں نے انہیں پابہ زنجیر کر کے جیل کی جانب پیدل لے جانے کا حکم دیا جب کہ فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا وہ گرتے پڑتے اٹھتے بے ہوشی کے عالم میں وہاں پہنچتے ہیں ان کے بعد خلیفہ معتصم نہ صرف یہ کہ انہیں جیل میں پابزنجیر رکھتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مار پیٹ کا بازار بھی گرم رکھتا ہے ان کے بعد خلیفہ واثق بھی انہیں مصائب و آلام کے شکنجہ میں کستا ہے اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے اعتقادات میں تزلزل نہیں آتا اور نہ ہی ان کے پائے استقلال میں لغزش آتی ہے وہ مسلسل صراط مستقیم پر گامزن رہتے ہیں۔
ان کے بعد خلیفہ متوکل نے اگرچہ انہیں مصائب کی بھٹی میں تو نہیں ڈالا لیکن ان پر مال و دولت کی اس زور سے بارش کی اور ان کے لیے ہر قسم کا عیش و آرام مہیا کیا جس کی چمک دمک سے امکان تھا کہ ان کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی لیکن ان کی مستقل مزاجی میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ انہوں نے پائے استحقار سے ان تمام اعزازات و انعامات کو ٹھکرا دیا۔ انہیں بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھنے گوارا تھے لیکن مشکوک مال سے بھوک کی آگ کو فرو کرنا ہرگز گوارا نہ تھا وہ ہر قسم کے ابتلا کا دلجمعی اور دل سوزی سے مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتے تھے اور ان تمام آزمائشوں کے بعد جب انہیں ایک بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑا جب کہ لوگوں نے ان کے استقبال میں آنکھیں فرش راہ کیں۔ اور ان کی مقبولیت کے نغمے الاپے جانے لگے تو اس سے نہ ان کی گردن میں خم

---

[1] المنہج الاحمد ص ۴۰ [2] المنہج الاحمد ص ۴۱۔

آیا اور نہ وہ خودسری اور عجب کے دام میں گرفتار ہوئے بلکہ مومنانہ فراست نے ان کو تواضع اور انکساری کا ایسا پیکر بنا دیا کہ وہ جلال خداوندی کے آستانہ عالیہ پر سربسجود ہو گئے اور اس کی مدح و ستائش کے قصیدے پڑھنے لگے۔ پس اللہ پاک کی نصرت سے وہ اس منجدھار سے سالم باہر نکل آئے ہیں اور کامیابی نے بڑھ کر ان کے قدم چومے۔[1] ان کے وقار سے محدثین کا وقار بلند ہوتا ہے خصوصاً حنابلہ کا اثر و رسوخ بڑھتا چلا جاتا ہے اور ان کی حکمرانی کا غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے عہد میں عباسی خلافت دراصل محدثین حنابلہ کی حکومت کہلاتی ہے۔[2] اور سن ۳۲۳ ہجری میں بغداد میں حنبلی علماء کا اس قدر عمل و دخل ہو جاتا ہے کہ جہاں کہیں وہ نبیذ دیکھتے ہیں تو اس کو گرا دیتے ہیں، مغنیہ دیکھ پاتے ہیں تو اسے سر بازار پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ سارنگیاں توڑ پھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کا سکہ عوام خواص سب کے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے اور انکے خوف سے عوام خواص سب کانپنے لگتے ہیں گویا کہ بغداد مکمل طور پر ان کے تصرف میں آ جاتا ہے۔[3]

---

[1] احمد بن حنبل ۵۔۷ [2] ضحی الاسلام ج ۳ ص ۲۰۰ [3] کتاب اخبار سیبویہ المصری ص ۱۸۔

دوسرا باب

امام احمد بن حنبل کی سیرت

پیدائش امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے صالح، عبداللہ کے بیان کے مطابق ان کے والد مکرم حضرت امام احمد بن حنبل ربیع الاول ۱۶۴ھ مطابق نومبر ۷۸۰ء میں پیدا ہوئے[1] بعض مورخین کا ربیع الثانی میں ان کی پیدائش بتانا درست نہیں ہے[2] اسی طرح ابن خلکان کا یہ قول کہ وہ مرو شہر میں پیدا ہوئے اس کے بعد ان کے والدین بغداد کی جانب روانہ ہوئے درست نہیں بلکہ جب ان کے والدین بغداد کی طرف جا رہے تھے تو وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے[3]

امام احمد ابھی تین سال کے تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے (بعض تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد سرخس کے گورنر تھے[4] اور بعض روایات کے مطابق وہ وہاں کے جرنیل تھے[5]) تو ان کی والدہ نے ان کی کفالت فرمائی[6] جن کا اسم گرامی صفیہ بنت عبدالملک شیبانی تھا[7] اور وہ شریف گھرانے کی خاتون تھیں۔

نسب نامہ ان کا صحیح نسب نامہ یہ ہے۔
امام ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبۃ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ھنب بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان الشیبانی مروزی الاصل تھے۔

بعض مورخین ان کو بنو مازن بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ سے شمار کرتے ہیں جو صحیح نہیں اس لیے کہ وہ بنو شیبان بن ذہل سے تھے۔ بنو ذہل بن شیبان سے

---

[1] مناقب امام احمد ص ۴، دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱ ص ۴۹۱ [2] حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۳ ج ۹ [3] وفیات الاعیان ص ۴۷ ج ۱ [4] مناقب الامام احمد ص ۱۴ [5] المنہج الاحمد ص ۷ ج ۱، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۱۹۹ ج ۱
[6] مناقب الامام احمد ص ۱۹ [7] البدایہ والنہایہ ص ۳۲۶ ج ۱۰ [8] مناقب امام احمد ص ۹۰

تھے اور ذھل بن ثعلبہ مذکور ذھل بن شیبان کا چچا تھا[1]۔

حلیہ خوبصورت چہرہ گندمی رنگ، میانہ قد سر داڑھی ہلکے سرخ رنگ والی مہندی سے رنگ لیتے تھے آخر عمر میں صرف چند بال سیاہ دکھائی دیتے تھے جسم اور کپڑوں کی صفائی کا خاص اہتمام رکھتے تھے[2] باوقار با اثر شخصیت کے مالک تھے[3]۔

طلب علم حصول علم کے لیے صغر سنی میں ہی مکتب جانے لگ گئے تھے اگرچہ صحیح طور پر ان کے مکتب جانے کا تعین نہیں ہو سکا تاہم انہوں نے حصول علم کے لیے صغر سنی میں ہی مکتب جانا شروع کر دیا تھا۔ اور چودہ سال کی عمر میں جب وہ عالم شباب میں داخل ہو رہے تھے[4] تو معاون علوم سے تقریباً فارغ ہو چکے تھے۔ اور سن ۱۷۹ھ[5] میں جب انہوں نے عمر کی سولھویں منزل میں قدم[6] رکھا تو علم حدیث پڑھنے کے لیے محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے رفتہ رفتہ شوق جوان ہوتا چلا گیا اور طلب حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ الاثار کے حفظ وضبط کی طرف بھی میلان بڑھتا چلا گیا لیکن کسی ثقہ استاذ کی راہ نمائی کے سوا کسی بھی چشمۂ علم سے سیرابی حاصل کرنے کی طرف وہ متوجہ نہ ہوئے متواتر چار سال بغداد میں ائمہ حدیث سے استفادہ کرتے رہے یہاں تک کہ بیس سال کی عمر کو پہنچ گئے۔ اس دوران اکثر و بیشتر وہ ھشیم سے استفادہ فرماتے رہے (اسی لیے انکا اپنا بیان ہے کہ میں نے اپنے استاذ ھشیم کی وفات سے قبل جو روایات ان سے سنی تھیں سب کو ازبر کر لیا تھا[7]) اگرچہ ان کے علاوہ عمیر بن عبداللہ بن خالد سے بھی ھشیم کی وفات سے قبل ۱۸۲ھ میں سماع ثابت ہے۔ نیز عبدالرحمان بن مہدی، ابوبکر بن عیاش سے بھی کسی حد تک استفادہ کیا۔

---

[1] وفیات الاعیان ص ۴۷ ج ۱ [2] مناقب امام احمد ص ۲۱۳ [3] شذرات الذھب ص ۹۶ ج ۲ ۔ [4] مناقب الامام احمد ص ۲۱ [5] مناقب الامام احمد ص ۲۲ [6] حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۳ ج ۹ [7] احمد بن حنبل ص ۹۹ [8] حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۴ ج ۹ ۔

طلب علم کے لیے سفر کرنا

امام صاحب حصول علم کی خاطر پانچ بار حجاز گئے پہلی بار ۱۸۷ھ میں جب وہ حجاز تشریف لے گئے تو انہوں نے ابو عیینہ سے علم حدیث کا استفادہ کیا اور امام شافعی کے ساتھ بھی ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں[1] اس دوران ان سے فقہ، اصول فقہ، ناسخ منسوخ کے علوم سے بہرہ وافر حاصل کیا۔ اس کے بعد بھی ان کی ملاقات امام شافعی سے ثابت ہے جب امام شافعی بغداد میں وارد ہوتے اور ۱۹۵ھ سے ۱۹۷ھ بمطابق ۸۱۰ء سے ۸۱۳ء[2] بغداد میں قیام پذیر رہے اس وقت انہوں نے علم فقہ کو تحقیق و تنقید کا ہدف بنایا۔ علم حدیث اور فقہی تفریعات کے درمیان موازنہ فرمانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ صحابہ، تابعین کا راستہ ہی اسلم ہے اگرچہ بعض مسائل میں فقہی آراء کو بھی ترجیح دیتے[3] جب کہ انہیں اقرب الی السنۃ پاتے۔

تلامذہ

اگرچہ ان کے تلامذہ بے شمار ہیں[4]، مگر ہم صرف ان مشہور تلامذہ کی فہرست ذیل میں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو اپنے دور کے سربرآوردہ آئمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔

علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، دحیم شامی[5] (ان کا شمار آپ کے معاصرین میں بھی ہوتا ہے) عبدالرزاق بن ہمام، یحییٰ بن آدم ابوالولید ہشام بن عبدالملک الطیالسی، ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی، اسود بن عامر شاذان، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم، ابوداؤد، امام ترمذی، احمد بن حسن ترمذی کے واسطہ اور امام نسائی عبداللہ بن احمد بن حنبل ان کے بیٹے کے واسطہ امام ابن ماجہ محمد بن یحییٰ ذھلی اور دیگر بے شمار لوگ ان کے بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ اگرچہ ان کی تمام تر تالیفات افادیت کی حامل ہیں لیکن جو مقام مسند کو حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

تالیفات

مسند ان کی عظیم الشان مایہ ناز تالیف ہے۔ جو تیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ اپنے بیٹے عبداللہ کو اس کے حفظ کی وصیت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ مستقبل میں اس کتاب کو پیشوائی کا مقام حاصل ہوگا[6]۔ ان کی بات صحیح ثابت ہوئی۔

---

[1] احمد بن حنبل ص ۲۳ [2] دائرۃ المعارف الاسلامیۃ ص ۴۹۲ ج ۱ [3] احمد بن حنبل ص ۹۱ [4] شذرات الذھب لابی الفلاح ص ۹۷ ج ۲ [5] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۱۹۹ ج ۱ [6] المنہج الاحمد ص ۱۹ ج ۱۔

حقیقت بین نگاہیں جب اس کتاب کا بغور جائزہ لیتی ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب علم حدیث میں جامع دستاویز ہے ۱۳۱۱ھ میں قاہرہ سے چھ جلدوں میں طبع ہوئی۔ اس مشہور متداول کتاب کے علاوہ کتاب الصلوٰۃ ہے جو بمبئی میں ٹائپ پر چھپی اور ۱۳۲۳ھ میں قاہرہ سے چھپ کر مارکیٹ میں آئی۔ نیز کتاب "طاعۃ الرسول" کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں انہوں نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اگر کبھی بظاہر کوئی حدیث قرآن پاک کی کسی آیت کے معارض ہو تو پھر کون سی راہ اختیار کی جاتے اور عقائد کی وضاحت میں انہوں نے کتاب السنۃ تالیف فرما کر اہم معلومات کا اضافہ فرمایا۔ عقائد کے علاوہ فقہی مسائل میں ان کے علم کی گہرائی معلوم کرنے کے لیے (مسائل صالح)(مسائل حرب) کا مطالعہ ضروری ہے جس میں انہوں نے دونوں شاگردوں کے سوالات کے جوابات مدلل منقح انداز میں پیش کیے ہیں ان کے فتاویٰ کو حافظ ابن قیم نے عرق ریزی کے ساتھ تقریباً بیس مجلدات میں پھیلا دیا ہے۔[۱]

امام احمد کی جلالت علمی

ان کے دور میں ان کا مثل موجود نہ تھا۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں۔

امام شافعی کا قول

امام احمد آٹھ علوم میں بے نظیر عالم فاضل سمجھے جاتے تھے۔ حدیث، فقہ، لغت، قرآن پاک، فقر، زہد، ورع، سنت میں انہیں کمال ملکہ حاصل تھا۔[۲] اگر ان کی زندگی کے علمی کارناموں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو امام شافعی کے قول کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ اللہ پاک نے انہیں متقدین کے تمام علوم سے سرفراز فرما دیا تھا۔

امام ابومسہر کا قول

حسن بن عباس نے ابومسہر سے استفسار کیا کہ امت محمدیہ میں وہ کون شخصیت ہے جس نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا ہے"۔ اس نے جواب میں کہا کہ دین اسلام کے تحفظ میں اس

---

[۱] ابن القیم الجوزیہ: الطرق الحکمیۃ فی السیاستۃ الشرعیۃ القاهرۃ سنۃ ۱۳۱۷ھ ص ۲۵۱-۲۹۳ وما بعدها [۲] صدایۃ الحیاری، القاهرۃ سنۃ ۱۳۲۲ھ ص ۲۱ [۵] طبقات الحنابلہ ص ۵/۱ ۔

نوجوان کی جدوجہد قابل رشک ہے جو مشرق میں رہتا ہے اور جس کا نام احمد بن حنبل ہے

قتیبہ کا قول ان سے دریافت کیا گیا کہ احمد بن حنبل کو تابعین کی فہرست میں شمار کرنا درست ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں تو کبار تابعین میں نمایاں حیثیت حاصل ہے[۱]

اولاد امام صاحب کے دو لڑکے تھے دونوں ہی جلیل القدر عالم تھے ایک صالح کے نام سے معروف تھے اور دوسرے کا نام عبداللہ تھا جن کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ صالح اصبہان میں منصب قضا پر فائز رہے۔ رمضان المبارک ۲۶۶ھ میں فوت ہوئے اور عبداللہ جمادی الاول بروز اتوار ۲۹۰ھ میں فوت ہوئے مگر بعض نے جمادی الثانی ذکر کیا ہے جب فوت ہوئے تو ان کی عمر ۷۷ سال تھی ان کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے اور ان کے والد محترم کی کنیت انہی کے نام سے ابو عبداللہ تھی۔
رحمھم اللہ اجمعین۔

وفات امام احمد ۱۲ ربیع الاول[۱] بعض روایات کے مطابق ۱۸ ربیع الاول اور بعض کے لحاظ سے ربیع الثانی[۲] ۲۴۱ھ مطابق ۳۱ جولائی ۸۵۵ء بروز جمعہ بوقت چاشت عالم جاودانی کی طرف سدھار گئے وفات کے وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی انہیں بغداد کے مقابر الشہداء میں دفن کیا گیا[۳] جو حربیہ قبیلہ کی آبادی کے ساتھ ملحق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے فوت ہونے کے دن دس ہزار یہودی عیسائی، مجوسی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ورکانی کا بیان ورکانی بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کی وفات پر نہ صرف مسلمان ہی غمزدہ ہوئے بلکہ ان کے علاوہ یہودی، عیسائی، مجوسی بھی ان کی وفات پر غم کے آنسو بہانے والوں میں شامل ہیں۔

امام احمد کے اخلاق کا دھندلا سا تصور امام احمد کی ایمانی قوت کے مظاہر کا صحیح تصور تو ان کی زندگی کے

---

[۱] شذرات الذھب ج۲ ص۹۶ [۲] وفیات الاعیان ج۱ ص۴۹ [۳] وفیات الاعیان ج۱ ص۴۸، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۱ ص۲۰۳، تہذیب الاسماء و اللغات ج۱ ص۱۱۲ البدایۃ والنہایہ ج۱۰ ص۳۲۶ ان کے علاوہ دیگر مراجع (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ناقابل فراموش کارناموں کے ملاحظہ کرنے سے ہوسکتا ہے تاہم اتنی بات قطعی ہے کہ ان کا دل و دماغ اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھا صرف رضائے الہی کے حصول کے لیے وہ دنیائے دول سے کنارہ کش رہتے۔ اسی لیے مورخین نے کہہ دیا ہے کہ نہ صرف تقوی و پرہیزگاری کی دولت کے لحاظ سے بلکہ علم و عمل کی جس منزل پر وہ فروکش تھے وہاں کم از کم ان کے دور میں کسی دوسرے امام کی رسائی نہ ہوسکی اس میں ذرہ بھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کا شمار راست گفتار استقامت شعار علماء میں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ معاشرہ کی کج رفتاریوں کے سیلاب کے سامنے کوہ الوند دکھائی دیتے ہیں وہ لغویات اور قبیح باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اللہ کی نافرمانیوں کے مظاہر کو جب وہ دیکھتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں علمی مجالس میں ان کی حیثیت میر مجلس کی ہوتی ہے وہ باوقار پرشکوہ پرہیبت شخصیت دکھائی دیتے ہیں ان کی شخصیت کے سامنے شرکاء مجلس خاموشی کی تصویر بنے رہتے ہیں جب وہ حدیث کا درس دیتے ہیں تو ان کی زبان موتی بکھیرتی ہے سلف صالحین اور زہاد کا تذکرہ دلنشین انداز میں کرتے ہیں کہ جس سے ان کا علمی طنطنہ نمایاں ہوتا ہے اور ان کی تواضع کا جوہر آبدار ان کے وقار میں اضافہ کرتا ہے اور ان کی عقیدت مندی میں نوجوان، بوڑھے سبھی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی تعظیم و قدر دانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے[۱] حقیقت تو یہ ہے کہ وہ علم، عمل، زہد، ورع، اخلق، حلم، صبر، استقامت جیسے کریمانہ اوصاف کے ساتھ متصف تھے اور عقائد اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں ہر قسم کی تکلیف اٹھانے کے لیے بخوشی تیار رہتے۔

وہ سنت کے شیدائی تھے

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اس قدر شیدائی تھے اور آثار نبوی کے ساتھ انہیں اس قدر لگاؤ تھا اور سلف صالحین کی اتباع کے ساتھ انہیں اس قدر تعلق خاطر

میں بھی اس کا ذکر ہے [۴] وفیات الاعیان ص ۴۸ ج ۱ تاریخ بغداد ص ۴۲۲ ج ۴ [۵] سن وفات میں مراجع متفق ہیں [۶] دائرۃ المعارف الاسلامیہ ص ۴۹۲ ج ۱ [۷] حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۰ ج ۹ صفحہ ہذا [۱] المنہج الاحمد ص ۲۷ ج ۱

[۲] احمد بن حنبل ص ۱۹ [partially cut off]

تھا کہ وہ ان کی اشاعت اور حفاظت کے لیے مجسمۂ استقامت بنے ہوئے تھے اور ان کے دل میں ان چیزوں کی محبت کا مظاہرہ ان کے اقوال، افعال سے نمایاں نظر آرہا تھا اگرچہ بظاہر ان کی زندگی پر آشوب تھی مصائب نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا لیکن سکون و طمانیت کی دولت سے اس قدر مالا مال تھے کہ وہ ان مصائب کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دیتے تھے۔ علم حدیث کے ساتھ ان کا والہانہ تعلق اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ تھکاوٹ دور کرنے کے لیے بھی مزاح اختیار نہ کرتے اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ مزاح تھکاوٹ دور کر دیتا ہے لیکن وہ اس مزاح سے کنارہ کش رہتے کہ اس سے علمی وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اس سے علم کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے۔ اور یہ خیال انہیں ہر وقت دامنگیر رہتا کہ علم حدیث کا مشغلہ عبادت ہے اور عبادت میں مزاح کو کچھ دخل نہیں بلکہ مزاح، عبادت ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

امام احمد حسب، نسب کے لحاظ سے انتہائی اونچے مقام پر فائز تھے موروثی کریمانہ اخلاق کے ساتھ متصف تھے ان کی تربیت اور نشوونما بھی نجیب الطرفین ہونے کے لحاظ سے مخصوص ماحول میں ہوئی اور چونکہ وہ بچپن ہی میں شفقت پدری سے محروم ہو گئے تھے اس لیے انہیں پیش آنے والے مشکلات پر صبر کرنا پڑا اور یتیم بچہ جب باپ کی پر خلوص محبت اور اس کے سہارے سے محروم ہوتا ہے تو وہ چاروناچار اپنے اوپر اعتماد کرتا ہے اور اس کا احساس خودی بیدار ہوتا ہے۔

امام احمد کے والدین جہاں بہترین کریمانہ اخلاق کے مرقع تھے وہاں ان کی ہوشمندی اور قوت حافظہ بھی ضرب المثل تھی اور یہ تمام خوبیاں ان میں موجود تھیں۔ چنانچہ اہل علم ان کے علم وفضل علو مرتبت پر ثناخواں ہیں اور ان کی عبقریت پر اجماع ہے۔ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض اوصاف جلیلہ کا ذکر کریں اس لیے کہ اس مختصر کتاب میں تمام اوصاف کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

حلم

حلم ایک ایسا قیمتی وصف ہے جس سے تمام انبیا علیہم السلام منصف تھے بلکہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔

خیال رہے کہ دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا کام کرنے والے لوگوں میں اس وصف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل کی سیرت کے ملاحظہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب معتصم انہیں مختلف قسم کے مصائب و آلام میں گرفتار کرتا ہے اور ان کے عقیدت مند ان کے سامنے مال و دولت کی پیشکش کرتے ہیں اس لیے کہ امام احمد سے مال و دولت چھین لیا گیا ہے اور وہ نان شبینہ تک کے محتاج ہیں تو وہ ان کی مالی پیشکشوں پر ان کا مستحسن الفاظ میں شکریہ ادا کرتے ہیں اپنے گھر یلو سامان کو رہن رکھ کر کھانے پینے کی اشیاء خریدتے ہیں اور جب تمام اثاثہ ختم ہو جاتا ہے تو محنت مزدوری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں لیکن کسی پیشکش کو قبول نہیں فرماتے اور دوسری طرف معتصم جس نے آپ کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

اے معتصم! میں نے تجھے اپنا خون معاف کر دیا ہے[1]۔

استغناء اگرچہ ان کے متعلق استغناء کے بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں لیکن ہم بطور مثال صرف ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں۔

ایک تاجر نے کچھ مال خریدا اس کے منافع میں امام احمد کو شریک کر لیا؛ چنانچہ وہ منافع سے ان کے حصہ کے دس ہزار درہم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام احمد نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا ہمیں قطعاً ضرورت نہیں اور ان کے حق میں دعا کی۔

زھد و ورع حضرت امام احمد بن حنبل کا زھد و ورع دیگر ائمہ سے کہیں زیادہ تھا[2] اس میں وہ امام سمجھے جاتے تھے چنانچہ ان کا یہ قول کہ میرا وہ دن خوشیوں سے لبریز ہوتا ہے جس دن میرا ہاتھ خالی ہو[3]۔ آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے اور کہا کرتے تھے کہ آخرت کے کھانوں اور لباس کے مقابلہ میں دنیا کے کھانوں اور لباس کی کیا حقیقت ہے اور دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے[4]۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے وہ اپنا تمام مال و اسباب اللہ کے راہ

---

[1] مناقب الامام احمد ص ۲۲۱ [2] البدایہ والنہایہ ص ۳۲۰ ج ۱۰۔

[3] مناقب الامام احمد ص ۲۴۸ [4] مناقب الامام احمد ص ۲۴۸۔

میں لٹا دیتا ہے جب عام آدمی کا یہ حال ہے تو حضرت امام احمد کا کیا حال ہوگا جس نے محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان تک کا سودا کر لیا تھا۔

جود و سخا مؤرخین نے ان کی سخاوت کے بے شمار واقعات ذکر کیے ہیں؛ چنانچہ سنیے۔ عمر بن صالح طرسوسی بیان کرتے ہیں کہ امام احمد کے ہاتھ سے کنوئیں میں قینچی گر گئی کنوئیں کے پاس سکونت رکھنے والے ایک آدمی نے قینچی نکال کر امام احمد کی خدمت میں پیش کی امام احمد نے بطور اجرت اس کے ہاتھ میں نصف درہم تھما دیا جب کہ قینچی کی قیمت صرف ایک قیراط تھی۔ پھر چند دنوں کے بعد اس سے دریافت کیا کہ کتنے ماہ کا کرایہ تمہارے ذمہ واجب الادا ہے اس نے جواب دیا تین ماہ کا اور ایک ماہ کا کرایہ تین درہم تھا، فرمایا جاؤ میں نے یہ سب کرایہ تمہیں معاف کر دیا۔[1]

ہارون مستملی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرا ہاتھ بالکل خالی ہے تو انہوں نے میرے ہاتھ پر پانچ درہم رکھتے ہوئے کہا کہ میرے پاس بھی اس وقت صرف یہی پانچ درہم تھے۔[2]

امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ جب میں بغداد سے روانہ ہوا تو وہاں امام احمد سے بڑھ کر کوئی دوسرا زیادہ متقی، پرہیزگار، فقیہ عالم نہ تھا۔[3]

ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعی نے ایک دن امام احمد سے کہا آپ یمن کے قاضی بننا پسند کیوں نہیں کرتے یہ سن کر وہ دم بخود ہو گئے اور امام شافعی سے تلخ لہجہ میں کہا کہ مجھے دنیا سے کچھ محبت نہیں آپ کی خدمت میں صرف حصول علم کے لیے آتا ہوں اور آپ مجھے قاضی بننے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس علم کی دولت نہ ہوتی تو آج کے بعد میں کبھی آپ سے کلام نہ کرتا۔ ان کی اس بات سے امام شافعی شرم حیا سے جھینپ گئے۔[4]

معلوم ہوا کہ امام احمد کسی منصب کے حصول سے بالکل مستغنی تھے یہی وجہ ہے کہ جب ان کے چچا اسحاق بن حنبل اور ان کے دونوں بیٹوں نے شاہی عطیات قبول کر لیے تو

---

[1] مناقب الامام احمد ص ۳۹۔ ۴۰ [2] سابقہ حوالہ [3] البدایہ والنہایہ ص ۳۲۸ ج ۱۰ [4] سابقہ حوالہ۔

ان کی اقتدار میں نماز ادا نہیں کرتے تھے[1]۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری پر دلالت کرتے ہیں۔

ابو عبداللہ سمسار کا قول

ابو عبداللہ سمسار بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن امام احمد کی والدہ کا ہمارے پڑوس میں ایک مکان تھا جو کرایہ پر دے رکھا تھا۔ امام احمد اس سے ایک درہم وراثت کے حصہ کے طور پر لیتے تھے۔ عبداللہ کی والدہ نے مکان کی درستی کے لیے اپنے بیٹے سے کہا اس نے اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے مکان کی مرمت کر ڈالی اس کے بعد امام احمد نے کرایہ کی رقم سے وہ درہم لینا چھوڑ دیا اس شبہ پر کہ عبداللہ نے جو روپیہ شاہی خزانہ سے حاصل کیا ہے شاید اسی سے مکان درست کیا ہے۔

امام احمد اپنے دونوں صاحبزادوں اور اپنے چچا کو شاہی خزانوں سے عطیات لینے سے شدت کے ساتھ منع کیا۔ جب انہوں نے اپنے احتیاج کا ذکر کیا اور اپنی مجبوریوں سے آگاہ کیا تو پھر بھی ایک ماہ تک ان سے مقاطعہ رکھا کہ کیوں انہوں نے اپنے دامن کو ملوث کیا ہے؟

امام احمد کے بارے میں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے کبھی کسی حاکم کے گھر سے کھانا نہیں کھایا اور متوکل نے جب ان کو شاہی خلعت سے نوازا تو اگرچہ اس کو قبول کر لیا لیکن اس کو حرام سمجھتے ہوئے صدقہ کر دیا۔ خود زیب تن نہ کیا اور متوکل جب ان کے آرام کے پیش نظر ان کی سکونت کے لیے بہترین محل تعمیر کرتا ہے تو امام احمد اس میں سکونت اختیار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں اپنی اولاد سے خطرہ رہتا تھا کہ وہ ان کے کفن کا کپڑا شاہی بیت المال سے نہ حاصل کریں۔ اس لیے وصیت فرمائی کہ جو لباس میں نے زیب تن کیا ہوا ہے۔ اسی میں مجھے کفن دیا جائے۔[2]

ایک سوال

ایک سوال ذہن میں بار بار انگڑائیاں لینے لگتا ہے کہ کیا امام احمد صرف خوراک، رہائش کے مسائل میں ہی اس قدر محتاط تھے یا زندگی کے

---

[1] پہلا حوالہ۔ [2] طبقات الحنابلہ صفحہ ۱/۱۲

دوسرے شعبوں میں بھی اسی طرح ان کی احتیاط کارفرما تھی اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ وہ زندگی میں پیش آمدہ تمام مسائل میں حد درجہ محتاط تھے یہاں تک کہ درایت حدیث میں انکا محتاط رویہ قابل رشک تھا۔ اسی لیے علی بن مدینی کو کہنا پڑا کہ اصحاب الحدیث میں امام احمد سے زیادہ حافظے والا دوسرا کوئی نہ تھا۔ اس کے باوجود وہ جب حدیث کا درس دیتے تو کتاب سامنے رکھتے تاکہ کسی قسم کا سہو نہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے امام احمد کی زندگی ہمارے لیے نمونہ اور روشنی کا مینار ہے[1]۔

ابن العربی بیان کرتے ہیں کہ میں مسلسل دو سال تک امام احمد کی خدمت میں رہا۔ وہ حدیث کا درس فرماتے تو کتاب سامنے رکھتے اور وہ کتاب میں تصحیح کے لیے اپنی دوات اور اپنا قلم استعمال فرماتے۔ ہماری دوات اور ہمارے قلم کے استعمال سے احتراز کرتے میں نے دیکھا کہ ان کی دوات سرخ چمڑے کی ڈبیہ میں ہوتی تھی[2]۔

تواضع انکسار امام احمد نہایت متواضع منکسر المزاج تھے وہ مسجد سے نکلتے وقت لوگوں سے پہلے نکلنے کی کوشش نہ کرتے جب اکثر لوگ مسجد سے نکل جاتے تو پھر باوقار طریقہ سے مسجد سے باہر تشریف لاتے۔ وہ حسب و نسب اور علم و فضل پر کبھی فخر نہ کرتے اسی طرح ان کے دور کے تمام لوگ اس پر اجماع رکھتے ہیں کہ ان میں تواضع، فروتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں ملتجی رہتے کہ لوگ ان کے بارے میں جو بہترین رائے رکھتے ہیں وہ اس سے بھی بہتر ثابت ہوں اور ان کی جن کوتاہیوں سے عوام بے خبر ہیں۔ اللہ پاک انہیں معاف فرماتے۔

ان کے بارے میں یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں پچاس سال ان کی خدمت میں رہا۔ ان میں صلاحیتیں اور خوبیاں موجود تھیں ان کے لحاظ سے وہ بے مثال شخصیت کے مالک تھے اس کے باوجود انہوں نے کبھی ہم پر فخر نہیں کیا[3]۔

عزلت نشینی وہ شہرت سے کنارہ کش رہتے ۔عزلت نشینی، اور تنہائی کی زندگی کو ترجیح دیتے اس لیے کہ انہیں یقین تھا کہ گوشہ نشینی سے اللہ کی

---

[1] مناقب الامام احمد ص ۲۷ [2] سابقہ حوالہ [3] مناقب امام احمد ص ۲۷

معرفت حاصل ہوتی ہے اور عوام الناس کے ساتھ اختلاط سے دور رہنے میں ہی قلب کو حقیقی سکون ملتا ہے اور دلی راحت نصیب ہوتی ہے یاد الٰہی میں دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں لیکن اس گوشہ نشینی سے مقصود نہیں ہے کہ وہ باجماعت مسجد میں نماز ادا کرنے سے بھی گریز پا رہتے یا جہاں شرعاً اجتماعیت ضروری ہے اس سے بھی دور رہتے اور جنگل کی طرف نکل جاتے ہرگز نہیں بلکہ ان کی صحبت میں رہنے والوں کا بیان ہے کہ امام احمد سے اگر کسی کو ملنا ہو تو وہ مسجد میں ہوں گے یا کسی جنازے میں شریک نظر آئیں گے یا پھر کسی بیمار کی عیادت کے لیے اس کے گھر چلے گئے ہوں گے ان کے علاوہ وہ عموماً بازاروں میں چلنے پھرنے کو معیوب سمجھتے[1] اور جب انہوں نے حکام وقت کو چیلنج کیا اور خلق قرآن کے فتنہ نے سر نکالا تو ہم نے دیکھا کہ یہ جری انسان کس ہمت کے ساتھ مقابلہ میں اترتا ہے اور ان کی ایذا رسانیوں پر جزع فزع کا بازار گرم نہیں رکھتا بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا ہے صرف اس لیے تاکہ کلمہ حق کو نفاذ حاصل ہو اور دین اسلام کو فروغ نصیب ہو۔

تمام اسلامی ممالک کے اہل علم کا اجماع ہے کہ امام احمد بہترین صلاحیتوں اور خوبیوں کا مرقع تھے ان کی پرہیزگاری، زاہدانہ زندگی، ایمانی قوت کے روح پرور واقعات سے کون ہے جو آشنا نہ ہو اور جب اسلام میں اجماع کو بہتر سمجھا جاتا ہے تو پھر امام احمد کی پرہیزگاری جلالت علمی اور اصابت فکر سے کون انکار کر سکتا ہے[2]۔

امام شافعی ان کی مدح و توصیف میں رطب اللسان ہیں کہ امام ابن حنبل تو حجت قاطع ہیں اور کسی انسان کا عابد ہونا تب صحیح ہے جب وہ امام احمد سے محبت رکھتا ہو۔ مقصود یہ ہے کہ امام احمد سے نفرت رکھنے والا انسان صحیح معنی میں اللہ کا عبادت گذار بندہ نہیں ہے[3]۔

امام ابو محمد جعفر بن محمد السراج بغدادی ان کی سیرت کا نقشہ ذیل کے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔

---

[1] سابقہ حوالہ [2] احمد بن حنبل ص ۵ ۔ [3] المنہج الاحمد ص ۵۳/ج ۱ ۔

دعوہ الی خلق القرآن کما دعو　　سواہ فلم یسمع ولم یتاول

لوگوں نے انہیں خلق قرآن کا قائل بنانا چاہا۔ جیساکہ ان کے ماسوا اہل علم کو بنایا لیکن انہوں نے نہ تو ان کی بات سنی اور نہ کسی تاویل کا سہارا لیا۔

ولا ردہ ضرب الاسیاط وسجنہ　　عن السنۃ الغراء والمذھب الجلی

کوڑوں کی مار اور حبس نے ان کے عزم کو متزلزل نہ کیا اور وہ روشن سنت اور واضح مسلک سے برگشتہ نہ ہوتے۔

لقد عاش فی الدنیا حمیداً موفقا　　وصار الی الاخری الی خیر منزل

وہ دنیا میں رہے تو قابل تعریف تھے۔ نیک کاموں میں لگے رہے اور جب آخرت کی جانب گئے تو ان کے لیے بہترین جگہ تیار تھی۔

وانی لارجو ان یکون شفیع من　　تولاہ من شیخ ومن متکھل

مجھے امید ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کی سفارش فرمائیں گے جو ان کی دوستی کا دم بھرتے رہے خواہ وہ ادھیڑ عمر والے تھے یا بوڑھے یا جوان سال تھے۔

ومن حدث قد نور اللہ قلبہ　　اذا سألوا عن اصلہ قال : حنبلی

اللہ پاک نے ان کے دل کو منور کر دیا ہے جو لوگ ان سے ان کے اصل کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں۔

خلاصہ

امام احمد بن حنبل جو چار مشہور ائمہ سے شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کی سیرت پاک کا یہاں مختصر خلاصہ پیش کیا گیا ہے ان کے بارے میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان اپنی ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی کسی جابر حکمران کا ظلم و ستم ان کو ان کے عزم سے روک نہ سکا اور نہ کسی لالچ کی گرفت میں آکر انہوں نے اپنے مشن سے روگردانی کی وہ صرف حق کو اونچا اور باطل کو نیچا دکھانے کے لیے پامردی کے ساتھ صف آراء ہے اور ہر قسم کے حملوں کا تن ذہی سے مقابلہ کرتے رہے اور جہاں وہ اپنی خدا داد قوتوں کو احیاء سنت کے لیے صرف فرماتے رہے، وہاں بدعات، خرافات کے مٹانے میں بھی ان کی مساعی کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا وہ دین اسلام پر ہر طرف سے ہر

قسم کے ہونے والے حملوں کا دندان شکن جواب دیتے رہے۔ کسی کٹھن سے کٹھن گھڑی میں بھی نہ ان کے صبر کا دامن تار تار ہوا اور نہ ہی ان کی زبان پر کوئی حرف شکایت آیا اسی کشمکش میں وہ عالم جاودانی کو سدھار گئے اور اپنے پروردگار کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی مساعی حسنہ سے دین کو غلبہ عطا ہوا اس دور میں تمسک بالکتاب والسنۃ کے جو آثار نظر آتے ہیں وہ دراصل ان کی کوششوں کے اثرات ہیں۔ فهنيئاً له يرضوان الواحد الديان ويرفقته لبنيه الكريم خير الانام محمد بن عبد الله عليه الصلوة والسلام۔

امام احمد پر روا رکھے گئے مظالم کا تحقیقی تجزیہ

امام احمد اور ان کے ہم مشرب رفقا پر روا رکھے گئے مظالم کی روایت امام احمد کے چچا زاد بھائی ابو عبداللہ[1] حنبل بن اسحاق بن حنبل کرتے ہیں ان سے یہ روئیداد بیان کرنے والے ابو عمرو عثمان بن احمد بن الدقاق ہیں[2] اور ان سے بیان کرنے والے ابوالحسن محمد بن احمد بزاز[3] ہیں، ان سے بیان کرنے والے شیخ[4] ابو محمد احمد بن علی حجازی اور اس کے بھائی ابوالغنائم ہیں ان دونوں سے بیان کرنے والے شیخ[5] حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن احمد بن عمر سمرقندی ہیں۔

امام احمد نے اپنے چچا زاد بھائی سے بیان کیا کہ میں نے ابتلاء و محن کے دور میں خواب میں علی[6] بن عاصم کو دیکھا تو میں نے خواب کی تعبیر کی کہ علی سے مراد میرا غلبہ ہے۔ اور عاصم سے مراد میرا محفوظ رہنا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

انہوں نے بیان کیا کہ جن لوگوں کو مامون کے حکم سے رقہ میں بلایا گیا اور وہ ابتلاء میں

---

[1] ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے عبیداللہ اور بعض نے عبداللہ کہا ہے ثقہ راویوں سے شمار ہوتے ہیں۔ مسائل کی تشریح ایسے خوبصورت عمدہ انداز میں پیش کرتے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہتا انکا اور اثرم کا انداز بیان ایک جیسا تھا شذرات الذھب ص ۱۶۲ ج ۲، طبقات الحنابلہ ص ۱۴۳ ج ۱ ص ۱۴۵ ج ۱ المنہج الاحمد ص ۱۶۶ ج ۱، تاریخ بغداد ص ۲۸۶ ج ۸ [2] ثقہ راوی ہیں ۲۶ ربیع الاول جمعہ کے دن ۳۴۴ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخ بغداد ص ۳۰۲ ج ۱۱ [3] ثقاہت اور صدق کے ساتھ موصوف ہیں عقائد میں پختہ اور اہل بدعت کے خلاف سخت رویہ رکھتے تھے اور احادیث کی روایت و سماع میں مشغولیت رکھتے ۱۶ جمادی الاولیٰ ۴۱۲ھ میں فوت ہوئے تاریخ بغداد ص ۳۵۱ ج ۱ [6] امام احمدؒ علی بن عاصم سے روایت

محفوظ نہ رہ سکے۔ کاش وہ صبر کرتے اور اپنے نظریات سے تائب نہ ہوتے تو مامون زیادہ عرصہ تک لوگوں کو مظالم کا نشانہ نہ بنا سکتا جب اتنے اونچے لوگ جادہ حق سے پھسل گئے تو وہ بہت دلیر ہو گیا اور اس کے مظالم کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ ابو علی بیان کرتے ہیں کہ اولاً جن لوگوں کو مامون نے رقہ میں بلایا اور انہیں پابزنجیر کیا اور ان پر مظالم ڈھائے گئے۔ وہ سات تھے یحییٰ بن معین[1]، ابو خثیمہ[2]، احمد بن حنبل، اسماعیل بن داؤد الجوزی[3]، محمد بن سعد کاتب واقدی[4] ابو مسلم مستملی عبد الرحمان بن یونس[5]، ابن ابی مسعود[6] میں نے دیکھا جب ان لوگوں کا رقہ میں جلوس نکالا گیا اور ان پر مظالم ڈھائے گئے تو وہ ان کی تاب نہ لا سکے اور جب انہوں نے اپنے نظریہ کو خیر باد کہہ دیا تو انہیں رہا کر دیا گیا۔

ابو علی بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ میں ابو نعیم کے پاس تھا۔ جب مامون کا خط اسحاق بن ابراہیم کے پاس پہنچا جس میں حکم دیا گیا تھا کہ فوراً ابو عبد اللہ احمد، عبید اللہ بن عمر قواریری، حسن بن حماد المعروف بسجادہ، محمد بن نوح کو حاضر کیا جائے اور ان سے دریافت کیا جائے کہ کیا وہ اپنے نظریہ کو خیر باد کہنے کے لیے تیار ہیں؟ اس دوران ربیع کے گورنر نے امام احمد

کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے تھے طبقات الحنابلہ ص ۳۲۸ ج ۱ ؎ دریائے فرات کے شرقی کنارے پر ایک مشہور شہر ہے۔ معجم البلدان۔ صفحہ ۱۔ [1] جرح تعدیل میں ان کی رائے مسلم سمجھی جاتی ہے بلکہ اس فن کا انہیں امام سمجھا جاتا ہے ابو جعفر کے عہد خلافت ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے ۲۳۳ھ میں فوت ہوئے النجوم الزاھرۃ ص ۲۱۹ ج ۲، تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳ البدایہ والنہایہ ص ۳۱۲ ج ۱، طبقات الحنابلہ ص ۴۰۲ ج ۱ - ۴۰۶، الخلاصہ ص ۴۲۸ تہذیب التہذیب ص ۲۸۰ ج ۱۱، المنہج الاحمد ص ۹۳ ج ۱ [2] احمد بن ابی خثیمہ، زھیر بن حرب بن شداد یا بکر نام تھا۔ ثقاہت ذہانت فطانت کے ساتھ موصوف تھے۔ تاریخ پر نظر رکھتے تھے ادب سے دلچسپی تھی امام احمد اور یحییٰ بن معین سے حدیث پڑھی ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ طبقات الحنابلہ ص ۴۴ ج ۱، المنہج الاحمد ص ۱۸۵ ج ۱، تاریخ بغداد ص ۱۶۲ ج ۴، شذرات الذھب [3] اونچے مقام پر فائز لوگ جو ابتلا میں ثابت قدم نہ رہ سکے ان سے شمار ہوتے ہیں۔ مناقب الامام احمد ص ۳۸۶ النجوم الزاھرہ ص ۲۲ ج ۲، [4] ثقہ مورخین سے ہیں۔ حدیث کے حافظ تھے بصرہ میں پیدا ہوئے بغداد میں قیام رہا۔ مشہور مورخ واقدی کے ساتھ کافی عرصہ رہے۔ ان سے محدثین لیں ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے تہذیب التہذیب ص ۱۸۲ ج ۹، الوفیات ص ۵۰ ج ۱، تاریخ بغداد ص ۳۲۱ ج ۵، الوافی بالوفیات ص ۸۸ ج ۳ [5] ابو مسلم المستملی

کو عدالت میں حاضر کرنے کا حکم دیا ان کے حکم پر انہیں وہاں لایا گیا چونکہ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اس لیے اس نے حکم دیا کہ کل عدالت میں پیش کیا جائے ابو علی بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں بھی امام احمد کے ساتھ تھا۔ میں نے ان سے کہا کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ روپوش ہو جاتے اس پر انہوں نے جواب دیا میرے لیے روپوش ہونا کیسے ممکن تھا جب کہ میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر میں روپوش ہو گیا تو پھر نہ صرف یہ کہ آپ اور آپ کے لڑکے میرے لڑکے اور دیگر ہم خیال ساتھی گرفتار ہو جائیں گے اور میری وجہ سے ان کو مظالم کے شکنجہ میں جکڑا جائے گا۔

دوسرے دن ان سب لوگوں کو ابو اسحاق کی عدالت میں حاضر کیا گیا ابو اسحاق نے گرجدار آواز میں کہا بہتر ہے کہ آپ لوگ خلق قرآن کے مسلہ میں ہمارا موقف قبول کریں وگرنہ تم کوڑوں کی زد سے بچ نہ سکو گے امام احمد اور ان کے بعض رفقاء نے باوقار لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم اپنے نظریے کو کبھی خیرباد نہیں کہہ سکتے آپ جو چاہیں کریں لیکن علی بن جعد، ابو محمد اسماعیل آزمائش میں پورے نہیں اترتے۔ وہ مشکلات کے تصور سے خوفزدہ ہو کر اپنے موقف سے پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں رہا کر دیا گیا لیکن امام احمد اور اس کے مخلص رفقا اس پاداش میں جیل بھجوا دیئے گئے۔

بقیہ حاشیہ۔ عبدالرحمان بن یونس (النجوم الزاھرۃ صفحہ ۲۱۹ ج ۲) ؁ ابن ابی مسعود ان کا نام اسماعیل ہے واقدی کے کاتبوں سے شمار ہوتے تھے اور بغداد کے مشہور محدثین سے تھے (النجوم الزاھرۃ صفحہ ۲۲ ج ۲) ؁ ابو نعیم کا نام فضل بن دکین ہے ۲۱۹ھ میں فوت ہوئے۔ النجوم الزاھرۃ صفحہ ۲۳۱ ج ۲، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۴۳ ؁ اسحاق بن ابراہیم، مامون کا قائم مقام تھا۔ یہ بھی اپنے لیڈروں کی ہم نوائی میں خلق قرآن کے مسلہ کا پرچار کیا کرتا تھا۔ اور جو شخص اختلاف کرتا اس پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا۔ پھر انہیں پابند سلاسل کر کے مامون کی طرف بھجوا دیتا۔ النجوم الزاھرۃ صفحہ ۲۴۶ ج ۲، البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۱۴ ج ۱۰ ؁ ۲۳۵ھ میں فوت ہوئے النجوم الزاھرۃ صفحہ ۲۸۲ ج ۲ تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۴۳، البدایہ والنہایہ صفحہ ۳۱۵ ج ۱۰ ؁ چونکہ وہ نماز میں سجادہ کے سامنے چمٹا رہتا تھا اس لیے اسکویہ لقب دیا گیا ابو معاویہ ضریر وغیرہ سے حدیث سنی امام ابن ابو الدنیا اور اس کے ہم عصر ائمہ سے روایت کرتے ہیں ۲۴۲ھ میں فوت ہوئے النجوم الزاھرۃ صفحہ ۳۰۶ ج ۲، شذرات الذہب صفحہ ۹۹ ج ۲ ؁ محمد بن نوح عجلی میمون بن عبدالحمید کے بیٹے ہیں۔ عانہ (جو رقہ اور ھیت کے درمیان مشہور شہر ہے) میں فوت ہوئے النجوم الزاھرۃ صفحہ ۲۲ ج ۲ ۔ صفحہ ھذا ؁ علی بن جعد: عبید ہاشمی کے صاحبزادے ہیں۔

جب انہیں جیل سے رہا کیا گیا تو امام احمد نے اپنی اور اپنے رفقاء کی گرفتاری کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب ہمیں اسحاق بن ابراہیم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ہمیں مامون کا وہ خط پڑھ کر سنایا جس میں ہم پر فرد جرم عائد کی گئی تھی ہر ایک انسان کا الگ الگ نام نسب بیان کرتے ہوئے مطعون قرار دیا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ (امام) احمد تو کمسن بچہ ہے ابھی اس میں شعور موجود نہیں ہے محمد بن نوح چور اور خائن ہے اور فلاں یتیموں کا مال کھانے والا ہے فلاں کا یہ کردار ہے اور فلاں کا یہ اسی طرح تمام کو نام بنام بدنام کیا اور ان پر غلط الزامات عائد کئے گئے امام احمد نے مزید بتایا کہ محضر نامہ میں تحریر تھا کہ کیوں میں عوام کو گمراہ کر رہا ہوں اور ان کو صراط مستقیم سے برگشتہ کر رہا ہوں چنانچہ عام لیکچروں میں میرا یہ کہنا کہ ارشاد خداوندی ہے (لیس کمثلہ شیء) (اس کے مثل کوئی چیز نہیں) اس کے بارے میں مجھ سے استفسار کیا گیا کہ آپ کا اس سے مقصود کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اس سے مراد اللہ کی کتاب ہے کہ اس جیسی کوئی کتاب نہیں ہے کوئی شخص اس میں زیر زبر کا اضافہ نہیں کر سکتا (یعنی یہ کتاب عام کتابوں جیسی نہیں ہے اس لیے کہ عام کتابیں انسانوں کی تالیف کردہ ہیں اور وہ مخلوق ہیں جب کہ اللہ کی کتاب اس کی صفت اور غیر مخلوق ہے۔ ان باتوں کے سنتے ہی دوبارہ مجھے جیل بھجوا دیا گیا۔ ان کے بعد عبید اللہ بن عمر قواریری سے کہا گیا کہ اگر آپ اس غلط نظریہ سے باز نہیں آتے ہیں تو دوبارہ مصائب کے شکنجہ میں کسے جانے کے لیے تیار ہو جائیں انہوں نے ان کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کی پاداش میں پھر انہیں پس دیوار زنداں کر دیا گیا ان کے بعد حسن بن حماد سجادہ کو بھی گرفتار کر لیا گیا جب وہ بھی اپنے نظریہ سے تائب نہ ہوتے تو مسلسل دو دن جیلخانے میں ان پر مظالم کئے گئے پھر انہیں پیش کیا گیا تو ان میں سے عبید اللہ بن عمر قواریری اور حسن بن حماد سجادہ آزمائش میں پورے نہ اترے تو انہیں رہا کر دیا گیا اس پر امام احمد کہا کرتے تھے کیا ہمیں محبوس نہیں رکھا گیا؟ کیا ہم پر کوڑے نہیں برسائے گئے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ کسی انسان کا گرفتار کیا جانا یا اس پر کوڑے

سابقہ حاشیہ۔ سنہ ۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے سنہ ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ بغداد میں اپنے زمانہ کے شیوخ سے شمار ہوتے ہیں۔ جواہرات کی تجارت کرتے تھے امام عبد اللہ بن محمد بغوی نے انکے بیان کردہ معانی

کی بارش کرنا یا اس کو کال کوٹھڑی کے حوالہ کر دینا شرعاً اکراہ ہے اور بحالت اکراہ شرعاً عذر ہے ارشاد خداوندی ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔
ہاں جس شخص پر جبر ہو اور اس کا دل ایمان کی دولت سے مالا مال ہو تو وہ ضمیر کے خلاف زبان پر الفاظ لا سکتا ہے اور اگر اس پر جبر نہیں ہے تو پھر کچھ عذر نہیں ہے۔

قاضی شریح کا قول

امام احمد مسند کے ساتھ قاضی شریح سے روایت کرتے ہیں کہ شرعاً وہ انسان معذور ہے جس کو جیل میں بند کر دیا جاتے یا اس پر کوڑے برسائے جائیں یا اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں یا اس کو ڈانٹ پلائی جائے۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے کہا تھا اگر تجھے دوبارہ مظالم کا نشانہ بنایا جائے تو تجھے ضمیر کے خلاف زبان کھولنے کی اجازت ہے اگر کسی طرف سے کچھ تکلیف پہنچنے کا امکان تک نہیں ہے تو پھر کچھ عذر نہیں ہاں کسی شخص کو صرف باتوں باتوں میں دھمکانا لیکن جسمانی اذیت نہ پہنچانا عذر نہیں ہے چنانچہ جو لوگ حضرت عمار پر ظلم کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں منع کیا کہ تم اس پر ظلم نہ کرو اگر تم جبراً اس سے کچھ منوانا چاہتے ہو تو وہ معذور ہے اور جب عباس بن عبد العظیم عنبری[1] کو زدوکوب کیا جا رہا تھا اور علی بن مدینی[2] پاس بیٹھے یہ ہولناک منظر دیکھ رہے تھے اور ان پر کوڑے نہیں برسائے جا رہے تھے اس لیے عباس بن عبد العظیم عنبری تو معذور ہیں جب کہ وہ کوڑوں کی تاب نہ لا کر مسئلہ خلق قرآن میں ماموں کی ہمنوائی کرتے ہیں لیکن علی بن مدینی کا عذر قابل قبول نہیں ہے جب کہ ان پر کوئی ظلم بھی روا نہ رکھا گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس مسئلہ میں ماموں کے ہم خیال ہو گئے ان واقعات کی

بقیہ حاشیہ۔ کی بارہ جلدیں مرتب کی ہیں جن کا نام جدیات رکھا ہے ان میں انکے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ کے تراجم ذکر کیے گئے ہیں۔ تہذیب التہذیب صـ۲۸۹ ج۷ الرسالۃ المستطرفہ صـ۶۸، تاریخ بغداد صـ۳۶ ج۱۱ [2] ابو معمر اسماعیل: ابن حاتم کی کنیت کے ساتھ متعارف تھے النجوم الزاہرہ صـ۲۲۲ ج۲ صفحہ ھذا۔ [1] حلیۃ الاولیاء صـ۱۹ ج۱

[2] اہل سنت کے اکابر علماء سے شمار ہوتے ہیں امام یحییٰ قطان اور انکے ہمعصر ائمہ سے سماع ثابت ہے ثقہ پرہیزگار تھے رمضان ۲۳۶ھ میں فوت ہوئے شذرات الذہب صـ۱۱۲ ج۲ تہذیب صـ۱۲۱ ج۵ المنہج الاحمد صـ۱۱۵ ج۱، مناقب الامام احمد صـ۱ [3] عبداللہ بن جعفر بن نجیح کے بیٹے تھے کنیت ابو الحسن پیدائش ۱۶۱ھ میں بصرہ میں

روشنی میں امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ مسئلہ خلق قرآن تو ایک بہت بڑا فتنہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو گرفتار کیا بعض لوگ اس فتنہ کی زد میں آئے لیکن اللہ پاک کے فضل وکرم سے کامیاب ہوئے جب کہ بعض کی آنکھوں کو چمکتے ہوئے سکوں نے چندھیا دیا تو وہ اپنا موقف چھوڑ کر گہرے گڑھے میں جا گرے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں حقیقتاً کچھ نہ مل سکا وہ صرف لالچ میں پھنس کر صراط مستقیم سے منحرف ہو گئے اور کچھ لوگ دنیا کے طالب تو نہ تھے البتہ مار پیٹ سے بچتے ہوئے انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی اور تقیہ اختیار کیا۔ لیکن دیانتاً اپنے موقف پر ڈٹے رہے

امام احمد کو مامون کی جانب روانہ کرنا

مامون نے اسحاق بن ابراہیم کی طرف خط بھیجا کہ احمد بن حنبل محمد بن نوح اور ان کے رفقاء کو دربار خلافت میں پیش کیا جائے چنانچہ انہیں کجاوے میں لاد کر وہاں پہنچایا گیا راستے میں ایک آدمی نے امام احمد سے دریافت کیا آپ کی گردن زدنی کا حکم دیا گیا تو کیا آپ اپنا موقف چھوڑ دیں گے فرمایا ہرگز نہیں اور جب ان کا قافلہ صبح کے وقت شہر کے قریب پہنچا تو ایک نامعلوم انسان نے محمد بن نوح سے پوچھا کہ احمد بن حنبل کون ہیں تو انہوں نے کجاوے کی دوسری جانب اشارہ کیا کہ وہ اس میں فروکش ہیں تو اس نے عزیمت کے انداز میں سلام کہا اور ان کے عزم کو مزید پختہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ سرمو اپنے موقف سے انحراف نہ کریں اگرچہ آپ کو موت کے گھاٹ کیوں نہ اتار دیا جائے اس لیے کہ اس صورت میں تجھے جنت ملے گی۔ یہ کہا اور سلام کہتے ہوئے واپس لوٹ گیا۔ میری نظریں اس پر گڑی رہیں یہاں تک کہ وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا میں نے دریافت کیا یہ کون تھا۔ مجھے بتایا گیا اس کا تعلق عرب کے ربیعہ قبیلہ کے ساتھ ہے۔ رہائش جنگل میں رکھتا ہے دنیا و ما فیہا سے کنارہ کر چکا ہے کپڑے بُن کر گزر اوقات کرتا ہے۔

سابقہ حاشیہ: پیدا ہوئے اور سرمن رائے ۲۳۹ھ میں فوت ہوئے: الخلاصہ صہ ۲۷۵، تہذیب صہ ۲۴۹/۷، المنہج الاحمد ۹۷۔ النجوم الزاھرۃ صہ ۲۷۶/۲، تاریخ الخلفاء صہ ۳۲۳۔ صفحہ ھذا: ۱؎ قادسیہ کے بالمقابل کوفہ کے قریب ایک بستی ہے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے سڑک کے بائیں کنارے واقع ہے (معجم البلدان)

محمد بن نوح کا امام احمد کو وعظ کرنا

امام احمد بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن نوح ابھی جواں سال تھے اور علم میں بھی کچھ زیادہ گہرائی نہ تھی تاہم وہ اوامر الٰہی پر سختی کے ساتھ کاربند تھے۔ ان کے بارے میں میرا حسن ظن رہا کہ ان کا خاتمہ بہت اچھا ہوگا اور وہ پورا ہو کر رہا۔

ایک دن جب کہ ہم دونوں تنہا تھے محمد بن نوح نے مجھے مخاطب ہو کر تین بار کہا اے ابو عبداللہ! اللہ سے ڈرو اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے آپ کے مقام تک رسائی نہیں۔ اس لیے کہ آزمائش کی کٹھن گھڑیوں میں میرے پائے ثبات میں تو لغزش آئی لیکن آپ جادہ اعتدال پر بلا خوف و خطر رواں دواں رہے۔ آپ کی شان بے نیازی نہ صرف قابل احترام ہے بلکہ لائق ستائش بھی ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی گردنیں آپ کی جانب بلند ہوتی ہیں اور آپ کی اقتدا کرنے والے روز بروز بڑھ رہے ہیں آپ میں مضمر خصوصیات نے لوگوں کے میلان کو آپ کی جانب تیز کر دیا ہے لیکن دیکھنا کہیں لوگوں کا یہ بے پناہ ہجوم آپ کو اللہ کے ڈر سے بے گانہ نہ بنا دے۔

امام احمد ان کے وعظ سے بہت متاثر ہوئے اور عقائد میں تزلزل پیدا کرنے والے ہر قسم کے اوہام و خیالات ان کے ذہن سے کافور ہو گئے۔

امام احمد کی روایت کے مطابق اس وعظ کے بعد محمد بن نوح ان نظریات پر ڈٹے رہے اثنا سفر بیمار ہوئے۔ عانہ[1] مقام میں فوت ہو گئے وہیں ان کا جنازہ ادا کر کے دفن کر دیا گیا۔

ماموں کی وفات

امام احمد نے بیان کیا کہ میں راستے میں بار بار دعا کر رہا تھا کہ میری ملاقات ماموں سے نہ ہو اس لیے کہ وہ عزم مصمم کئے ہوئے تھا کہ جوں ہی میری نظر احمد پر پڑے گی تو میں اس کے ٹکڑے

---

[1] رقہ، حیت کے درمیان نہر فرات کے ساحل پر واقع ایک مشہور شہر ہے اس کا شمار جزیرہ کے شہروں ہی میں ہوتا ہے۔ (معجم البلدان)

ٹکڑے کر دوں گا چلتے چلتے ہم طرسوس[۱] پہنچے وہاں چند روز قیام رہا ایک دن ایک آدمی اندر داخل ہوا اور بتایا کہ مامون فوت ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور حالات کے سازگار ہونے کی امیدیں یقین میں بدلنی شروع ہو گئیں اس کے بعد ایک دوسرا آدمی داخل ہوا اس نے بتایا کہ معتصم نے ابن ابی دؤد[۲] کو منصب قضا سونپ دیا ہے اس نے تمہارے متعلق حکم نافذ کیا ہے کہ انہیں بہت جلد بغداد روانہ کر دیا جائے اس پر بھی بے ساختہ میری زبان سے شکریے کے کلمات نکلے اس لیے کہ یہ حکم بھی ہمارے حق میں مفید تھا اور ہماری مشکلات ختم ہونے کی طرف اہم پیش قدمی تھی۔

بغداد کی جانب روانگی

امام احمد اور ان کے رفقا کو رقہ سے بغداد کی جانب ایک کشتی میں سوار کرایا گیا دوران سفر امام احمد بیمار ہو گئے اسی حالت میں رمضان المبارک میں بغداد پہنچے وہاں انہیں دار عمارہ جیل میں محبوس کر دیا گیا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ چند روز اس جیل میں مقید رکھ کر عام جیل کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ وہاں تقریباً اڑھائی سال جیل کی اذیتیں برداشت کرتے رہے ان کی ملاقات کے لیے اکثر بار ان کے تلامذہ کی معیت میں میرے والد اور میں بھی جایا کرتا تھا کبھی ہمیں ملاقات کی اجازت نہ ملتی اکثر و بیشتر اجازت مل جاتی تھی ایک روز میرے والد نے امام احمد کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ جب ہم آئیں تو درس حدیث کی مجلس قائم کی جائے انہوں نے بخوشی قبول فرمایا اس لیے کہ جیل میں انہیں کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے جیل خانے میں ان سے کتاب الارجاء اور دوسری کتابوں کا درس لیا۔

---

[۱] انطاکیہ، حلب، بلاد روم کے درمیان شام کی سرحدوں پر واقع ایک شہر کا نام ہے۔

[۲] یہ شخص معتصم، واثق کے عہد میں منصب قضا پر فائز رہا عقیدۃً جہمیہ تھا۔ خلق قرآن کا قائل اور اس کی طرف دعوت دیتا تھا ۲۴۰ھ میں فوت ہوا۔ النجوم الزاھرۃ ص ۳۰۲ ج ۲ تاریخ الخلفاء ص ۳۲۳ [۳] بغداد کے شرقی اور مغربی دونوں جانب ایک مقام ہے (معجم البلدان)

نماز کی حالت میں بھی بیڑیاں نہ کھولی جائیں

امام احمدؒ کے پاؤں میں اگرچہ بیڑیاں پہنا دی گئیں تھیں اس کے باوجود اپنے رفقاؒ کی امامت کراتے چونکہ بیڑیاں کچھ فراخ حلقوں والی تھیں اس لیے وہ ایک پاؤں کی بیڑی اتار لیتے تاکہ نماز کی ھیات اچھی طرح ادا ہوسکیں اور نماز سے فارغ ہوکر پھر پہن لیتے اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ گورنر اسحاق بن ابراہیم کو اس کا علم نہ ہوسکے اسی طرح وضو کرتے وقت اور سونے کے وقت ایک پاؤں سے بیڑی اتار لیتے تھے امام احمد اپنے محبوس ہونے اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے کا جب ذکر کرتے تو حجر بن عدیؓ[1] اور ان کے رفقا کا ذکر کرتے کہ ان کو بھی جب بنوامیہ نے گرفتار کیا تو ان کے پاؤں میں بھی بیڑیاں ڈال دی گئیں تو وہ بھی مجبوری کے عالم میں باجماعت اسی طرح نماز ادا کرتے تھے جس طرح ہم نماز ادا کرتے ہیں اور اگر کبھی کسی قیدی کے پاؤں میں بیڑیاں نہ ہوتیں اور لوگ اس کی اقتدا پر ناراض نہ ہوتے تو اس کو امام بنالیا جاتا اور باجماعت نماز ادا کی جاتی۔ میں نے پوچھا جس شخص کے پاؤں میں بیڑیاں ہوں وہ آخری تشہد کی حالت میں تورک نہیں کرسکتا اور تورک نہ کرنا سنت نبوی کے خلاف ہے اس کا جواب دیتے ہوئے امام احمدؒ نے فرمایا جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرنی چاہیئے لیکن میں تورک کیا کرتا تھا اس لیے کہ میں ایک پاؤں سے بیڑی نکال دیتا تھا پھر میرے لیے تورک کرنا کچھ مشکل نہ رہتا۔ پس اس حالت میں بھی اللہ سبحانہ ہماری مدد فرماتے اور ہم سنت کے مطابق نماز ادا کر لیتے۔

امام احمدؒ کو جیل سے معتصم کی جانب روانہ کرنا

امام احمدؒ کو جیل کے اندر رہتے

---

[1] بہادر صحابی ہیں۔ آپ کی خدمت میں وفد کی شکل میں حاضر ہوئے۔ جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ جب انہوں نے بنوامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو انہیں گرفتار کرکے دمشق لایا گیا حضرت معاویہؓ نے ان کے قتل کا حکم دیا: الکامل لابن الاثیر ص۱۸۷ ج۳، تاریخ الطبری ص۱۴۱ ج۶، ذخیرۃ الدارین ص۲۴۳، طبقات ابن سعد ص۱۵۱ ج۶۔

ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا میرے والد اسحاق بن حنبل ان کی رہائی کے لیے اعیان سلطنت سے بات چیت میں مصروف تھے اس سلسلہ میں وہ بار بار آجا رہے تھے جب انہوں نے محسوس کیا کہ رہائی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو رہا ہے تو اسحاق بن ابراہیم کے ساتھ رابطہ قائم کیا انہیں یاد دلایا کہ ہمارے خاندان اور آپ کے خاندان کے درمیان نہایت گہرے قریبی روابط رہے ہیں۔ مَرو[1] میں ہم پڑوسی تھے مزید برآں میرے والد حنبل کے تیسرے دادا حسین بن مصعب کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے بنابریں آپ ان حقوق کا احترام کرتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اسحاق بن ابراہیم نے روابط کا اثبات میں جواب دیا اور کہا آپ کے کام کے لیے ممکن مساعی سے گریز نہیں کروں گا اس کے ان الفاظ میں مجھے امید کی کرن نظر آئی تو میں نے کہا کہ آپ کے نظریات کے مطابق میرے چچازاد بھائی احمد بن حنبل قرآن پاک کے منزل من اللہ ہونے کے منکر نہیں ہیں البتہ تاویل میں خلاف رائے رکھتے ہیں باوجود اس کے وہ مدت دراز سے جیل کی تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر مسئلہ کی تحقیق کے لیے فقہاء اہل علم کا اجلاس بلایا جائے تاکہ دلائل کی روشنی میں اس کا معقول حل نکالا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم نے دریافت کیا اگر آپ پسند فرماتے ہیں تو میں ابھی علماء کا اجلاس بلا لیتا ہوں۔ جس کے دلائل وزن دار ہوں گے اس کو کامیاب سمجھا جائے گا۔ میری اس تجویز پر ابن ابی ربعی نے صاد کیا اور کہا آپ اپنے چچازاد بھائی کے خلاف ان کے مخالفین کو جمع کر رہے ہیں وہ دلائل میں اس پر غالب آجائیں گے اور ابن ابی دؤاد تو چرب لسانی میں مشہور رہیں۔ اس کا تعلق متکلمین کے ساتھ ہے جو اختلافی مسائل میں خاص علمی شہرت کا حامل ہے۔ کاش آپ نے اس بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہوتا۔ میں نے اس کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔

میرے والد بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اسحاق بن ابراہیم سے پرانے

---

[1] عراق میں مشہور شہر ہے (معجم البلدان)۔

دوستانہ روابط کا ذکر کیا اور اس مسئلہ میں اس سے تعاون کی درخواست کی تو اس نے میری موافقت کرنے کی بجائے (جب میں امام احمد کی ملاقات کے لیے جیلخانہ گیا) اپنے حاجب کو میرے ساتھ روانہ کیا اور اس کے ذمہ لگایا کہ میرے اور اس کے درمیان اس ملاقات میں ہونے والی تمام گفتگو سے مجھے باخبر رکھا جائے چنانچہ جب میں وہاں پہنچا تو میرے ساتھ وہ انسان بھی تھا جس کو میرے ساتھ لگا دیا گیا تھا۔ میں نے جاتے ہی امام احمد کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کے تمام رفقاء ہتھیار ڈال چکے ہیں وہ خلق قرآن کے مسئلہ میں اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے ہیں اور آپ کے علاوہ سب جیل سے رہا ہو چکے ہیں ان حالات میں آپ بھی عنداللہ معذور ہیں پس آپ بھی اپنے نظریات کو خیرباد کہہ دیں تاکہ آپ کی رہائی بھی عمل میں آسکے جس کا آپ نے متانت کے ساتھ جواب دیا کہ اگر اہل علم تقیہ اختیار کرنے لگ جائیں تو استقامت کون دکھائے گا۔ جاہل لوگ تو معذور ہیں اس لیے کہ وہ حقائق سے بے خبر ہیں۔ یہ صرف اہل علم کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ جاہل لوگوں کو حقائق سے ہمکنار کریں اگر وہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں تو حق و صداقت کی راہوں کا کیسے پتہ چل سکے گا میں ان کے مسکت جواب سے بالکل مطمئن ہو گیا اور مزید کچھ کہنے سے خاموش رہا۔

اس ملاقات پر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اسحاق بن ابراہیم، معتصم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور اسے میرے والد اور امام احمد کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سے آگاہ کیا اس کے بعد ایک روز ہم امام احمد کی ملاقات کیلئے جیل گئے تو ہارون (جو امام احمد کے لیے جیل میں کھانا اور دیگر ضرورت کی چیزیں پہنچاتا اور ان کی خدمت سرانجام دیتا تھا) سے معلوم ہوا کہ امام احمد کو وہاں سے اسحاق بن ابراہیم کے گھر منتقل کر کے نظر بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ میں اپنے والد دیگر رفقا کی معیت میں اسحاق بن ابراہیم کے مکان پر پہنچا۔ ہمارا مقصد امام احمد سے ملاقات کرنا تھا لیکن ہمیں روک دیا گیا ہم ابھی وہیں تھے کہ ہارون

امام احمد کی افطاری لے کر آن پہنچا۔ غالباً اس دن پچیسواں روزہ تھا اور یہ ۲۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ ہارون نے کھانا وہاں متعین حفاظتی پہریداروں میں سے ایک آدمی کے سپرد کیا تاکہ امام صاحب کو پہنچا دیا جائے اسحاق بن ابراہیم نے کھانے کا ڈبہ منگوا کر کھولا تو اس میں دو چپاتیاں اسکے ساتھ بطور سالن کچھ کھیرا اور نمک رکھا ہوا تھا اتنا سادہ اور مختصر افطاری کا سامان دیکھ کر اسحاق بن ابراہیم حیرت زدہ رہ گیا دوسرے دن پھر ہمنے اسحاق بن ابراہیم کے گھر کا رخ کیا ہمنے دیکھا کہ ابو شعیب بن حجام اور محمد بن رباح بھی امام احمد کی ملاقات کے لیے آن حاضر ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں آسمان اور زمین کی تصویریں اور کچھ دیگر چیزیں تھیں۔ امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے بعض ایسی چیزوں کا استفسار کیا جن کو میں جانتا نہیں تھا اس لیے میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ دوران کلام میں نے ان سے کہا حیرت ہے کہ آپ علم حدیث سے کیوں اتنے دور چلے گیے ہیں؟ اور دنیوی علوم کے حصول کی طرف کیوں اتنے مائل ہو گئے ہیں؟ پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ اللہ کے علم کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ تو انہوں نے برملا کہا اللہ کا علم مخلوق ہے۔ ان کے اس غلط جواب سے مجھے سخت کوفت ہوئی تو میں نے برجستہ کہا آپ نے جس نظریے کا اظہار کیا ہے اس کے بعد آپ کے کافر ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہا۔ اتفاق سے وہاں اسحاق بن ابراہیم کا ایک محافظ موجود تھا اور وہ میرا جواب سن رہا تھا ابن الحجام نے اس کا تعارف کراتے ہوئے مجھے ڈرانا چاہا۔ میں نے بلا خوف و خطر پھر وہی کہا کہ یہ نظریہ تو کفر کے مترادف ہے اور ابن رباح سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرا ساتھی ابن الحجام کافر ہو گیا ہے جب یہ اللہ کے علم کو مخلوق کہہ رہا ہے۔ میرے خیالات سے متاثر ہو کر ابن رباح نے ابن الحجام کی طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا اور اس کے نظریہ کو اپنانے سے انکار کر دیا اور اس کو تہدید آمیز لہجہ میں کہا افسوس کہ آپ کس قسم کی غلط باتیں کہہ رہے ہیں۔

حنبل کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم وہاں سے گھر کی جانب روانہ ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ ابن الحجام بھی ہمارے ساتھ ہی وہاں سے باہر نکلا اور کہہ رہا تھا

میں نے آج تک امام احمد جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا وہ اظہار حق میں نہ صرف یہ کہ خوفزدہ نہیں ہوتے بلکہ تہدید آمیز لہجہ میں مخالف کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

امام صاحب سے اسحاق بن ابراہیم کا وعظ

ایک دن اسحاق بن ابراہیم، امام صاحب سے جیل میں ملاقات کے دوران ان سے مشفقانہ انداز میں باتیں کرتے ہیں اور پرانے تعلقات کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ کس قدر اچھا ہو اگر آپ امیر المومنین معتصم کی مخالفت چھوڑ دیں امام صاحب ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آتے۔ جب اسحاق بن ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ لالچ دے کر انہیں نہیں خریدا جا سکتا تو دھمکی دی اور قسم اٹھاتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ان کی رائے تسلیم نہیں کریں گے تو وہ آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے لیکن یہ حربہ بھی کامیاب ثابت نہ ہوا امام صاحب نے فرمایا میں اپنے پہلے نظریہ پر قائم ہوں میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میرے مایوس کن جواب سے وہ کانپ اٹھا اور حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں مزید بوجھل بیڑیاں پہنا دی جائیں حکم کی تعمیل کی گئی اور مجھے جیل سے ابو اسحاق کے گھر پیدل چلنے کا حکم دیا گیا میں نے چلنے کی پوری کوشش کی لیکن بیڑیاں اس قدر وزنی تھیں کہ میرے لیے پاؤں اٹھانا مشکل تھا۔ پھر پاؤں سخت درد محسوس کرتے جب میں پاؤں اٹھانے کی کوشش کرتا بالآخر مجبور ہو کر میں نے اپنے پاجامہ سے ازار بند نکال کر اسے پاؤں اور بیڑیوں کے درمیان رکھا تاکہ چلا جا سکے اور پاجامہ بلا ازار بند اسی طرح لپیٹ لیا لیکن یہ حیلہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا میرے لیے پاؤں اٹھانا سخت مشکل تھا جب انہیں یقین ہو گیا کہ اس حالت میں میرا پیدل چلنا ناممکن ہے تو مجھے ایک سواری پر بٹھایا گیا پاؤں میں بیڑیاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنی ہوئی تھی۔ کسی انسان کے سہارے کے بغیر میرا سواری پر بیٹھنا بھی آسان نہ تھا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میں سواری سے زمین پر منہ کے بل سے گر پڑتا لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور میں ابو اسحاق

کے گھر آدھی رات کے وقت پہنچ گیا مجھے ایک کمرہ میں بند کر کے اسے مقفل کر دیا گیا اور اس پر دو محافظ مقرر کر دیئے گئے۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ نماز ادا کرنے کے لیے قبلہ کی سمت معلوم کرنا مشکل تھا۔ میں نے اجتہاد کیا اور ایک طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگا۔ دن ہونے پر معلوم ہوا کہ میرا منہ صحیح قبلہ کی طرف تھا۔ صبح مجھے معتصم کی کچہری میں پیش کیا گیا۔ وہاں ابن ابی دؤاد اور اس کے رفقا بھی موجود تھے۔ میں ان سے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔ معتصم باللہ نے مجھے دیکھ کر میرے مخالفین سے دریافت کیا تم کہا کرتے تھے کہ احمد بن حنبل نوجوان انسان ہے۔ لیکن یہ تو بالکل بوڑھا انسان ہے۔ اس کے جواب میں ابن ابی دؤاد خبیث نے جو کہا۔ وہ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ پھر مجھے حکم دیا گیا۔ کہ مزید قریب ہو جاؤ۔ میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ وہاں کثیر تعداد میں لوگ جمع ہیں۔ معتصم باللہ نے اپنے قریب بیٹھنے کا مجھے موقعہ دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ لیکن بیڑیاں اس قدر بوجھل تھیں کہ میں ان کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے امیرالمومنین سے بات کرنے کی اجازت طلب کی۔ اس نے اجازت دے دی۔ میں نے امیرالمومنین سے استفسار کیا کہ آپ کے چچا زاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ اس بات کی دعوت دیتے رہے کہ اللہ پاک کو ایک معبود مانا جائے۔ میں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف اللہ ہی معبود ہے۔ گویا کہ میں ان کی دعوت تسلیم کرتا ہوں تو مجھے کیوں مجرم سمجھا جاتا ہے۔ پھر میں نے استفسار کیا۔ کہ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن عباس ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ وفد عبدالقیس جب رسول اکرم کی خدمت میں آیا۔ تو آپ نے ان کو اللہ کے ساتھ ایمان لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس تمام حدیث کو ذکر کرنے کے بعد میں نے کہا میں صرف اسی کی دعوت دیتا ہوں۔ اور میری دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے۔ میرے کلمات سن کر امیرالمومنین پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس خاموشی کو ابن ابو دؤاد نے توڑتے ہوتے ایک ایسی بات کہی۔ جسے میں سمجھ نہ سکا۔ دراصل وجہ یہ تھی کہ میں اس کی گفتگو سننا ہی گوارا نہیں کرتا تھا۔

وفد عبدالقیس کی حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ وفد عبدالقیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کافی سفر ہے۔ درمیان میں ربیعہ قبیلہ آباد ہے۔ لہٰذا ہم صرف حرمت والے مہینوں میں ہی آپ کی خدمت میں پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہمیں ایسا جامع پروگرام بتا دیجئے جس پر ہم خود بھی کاربند رہیں۔ اور دوسرے لوگوں تک بھی پہنچائیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے روکتا ہوں۔ جن چار باتوں کا حکم دیتا ہوں وہ یہ ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ۔ اس بات کی گواہی دو کہ صرف اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ غنیمت سے پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرواؤ۔ اور چار چیزیں جن سے منع کرتا ہوں۔ وہ یہ ہیں۔ کہ تم کدو سبز مٹکے چھٹو اور چینی کے برتنوں کو استعمال میں نہ لاؤ۔ یعنی ان میں نبیذ نہ بناؤ۔[1]

(۱) امام احمد نے اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد ایک دوسری حدیث بیان کی جو درج ذیل ہے۔ حبیب صحابی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صحابہ کرام کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ وہ پہلے سے ہی بیٹھے وہاں انتظار کر رہے تھے۔ آپ وہاں بیٹھ گئے اور فرمایا خوش ہو جاؤ۔ اس لیے کہ تم گواہی دیتے ہو۔ کہ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور تم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، نیز تم تسلیم کرتے ہو کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کی جانب سے ایک رسی ہے۔ جس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تم اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ پھر تم نہ تو گمراہی کے گڑھے میں گرو گے اور نہ تم کسی عذاب خداوندی میں پکڑے جاؤ گے۔[2] امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ میری ان باتوں کا امیر المومنین پر گہرا اثر ہوا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ کو مجھ سے

---

[1] صحیح مسلم شرح نووی صفحہ ۱۸۵ جلد ۱۔ اس کے بعد ایک دوسری حدیث میں آپ نے ان تینوں میں نبیذ وغیرہ پینے کی اجازت دے دی تھی۔ [2] بخاری۔

پہلے حکمرانوں نے گرفتار نہ کیا ہوتا تو میں آپ کو گرفتار نہ کرتا۔ پھر اس نے عبدالرحمٰن بن اسحاق کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔ کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ اس انسان پر قطعاً تشدد نہ کیا جائے۔ اس کی ان باتوں سے مجھے خوشی ہوئی اور میں نے دل میں ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور محسوس کیا۔ کہ اب مشکلات کے بادل ختم ہونے والے ہیں اور مسلمان جس آزمائش میں گرفتار ہیں۔ اس سے ان کو نجات ملنے والی ہے۔ پھر اس نے حاضرین کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا اور میری مخالفت کرنے والے علماء سے کہا اگر تم میں ہمت ہے تو خلق قرآن کے مسئلہ پر ان کے ساتھ مناظرہ کرو؛ چنانچہ ان میں سے عبدالرحمان نے مجھ سے سوال کیا آپ قرآن کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں میں نے اس کے سوال کا کچھ جواب نہ دیا پھر ابن ابی داؤد نے عبدالرحمان پر دباؤ ڈالا کہ اگر یہ شخص جواب نہیں دیتا تو اس سے دوبارہ وہی سوال کرو؛ چنانچہ اس نے پھر وہی سوال مجھ پر کیا میں نے پھر بھی اس کو کچھ اہمیت نہ دی اور خاموش رہا لیکن معتصم سے نہ رہا گیا۔ وہ درمیان میں حائل ہو کر کہنے لگا کہ آپ ان کے سوال کا جواب دیں۔ میں نے معتصم باللہ سے پوچھا آپ اللہ کے علم کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں وہ خاموش رہا تو میں نے عبدالرحمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا قرآن پاک اللہ کا علم ہے۔ اور جو شخص اللہ کے علم کو مخلوق سمجھتا ہے وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ میری اس دلیل سے عبدالرحمان خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا البتہ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور امیرالمومنین کو برانگیختہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ شخص نہ صرف ہمیں بلکہ آپ کو بھی کافر سمجھتا ہے۔ جب کہ ہم قرآن پاک کو مخلوق سمجھتے ہیں لیکن معتصم نے ان کی باتوں کی طرف قطعاً دھیان نہ دیا۔

پھر عبدالرحمان نے مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ایک وقت ایسا تھا کہ اللہ تو موجود تھا لیکن قرآن پاک موجود نہ تھا۔ میں نے جواباً کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ موجود تھا اور اس کا علم موجود نہ تھا۔ یہ بات سن کر وہ حیران ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن آیا اس لیے کہ اگر وہ اس عقیدے کا اظہار کرتا کہ اللہ موجود تھا لیکن

اس کا علم موجود نہ تھا تو وہ کافر ہو جاتا۔

امام صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا علم ازلی ہے ہم اللہ کو اس کی صفات کے ساتھ مانتے ہیں اور اللہ کی صفات غیر محدود ہیں۔ قرآن پاک بھی اس کا علم ہے اور اس کی صفت ہے پس اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔ ابتدا بھی اسی سے ہے اور انتہا بھی اسی سے ہے۔

امام صاحب کے دلائل اس قدر مضبوط تھے کہ انہیں سوائے خاموش رہنے کے کوئی چارہ نہ تھا البتہ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے امام صاحب نے جب دیکھا کہ ان کے ترکش میں اب کوئی تیر نہیں ہے تو پورے طمطراق کے ساتھ امیر المومنین کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں اگر یہ لوگ میرے سامنے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کوئی دلیل پیش کریں گے تو میں اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔

میری اس بات پر اعتراض کرتے ہوئے ابن ابی دؤاد نے طنزاً کہا کیا آپ تمام باتیں کتاب اللہ اور حدیث رسول سے ہی پیش کرتے ہیں کہ ہم پر پابندی عائد کر رہے ہیں میں نے بلا جھجک زور دے کر کہا کہ ہاں میں صرف کتاب اللہ اور حدیث رسول سے ہی دلائل پیش کرتا ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اسلام کا قیام صرف ان دونوں کے ساتھ ہے لیکن اے ابن ابی دؤاد تو کتاب اللہ اور حدیث رسول کی من مانی تاویلات کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور جو شخص انہیں تسلیم نہیں کرتا اس پر گمراہ ہونے کا فتویٰ لگاتا ہے اسے اذیتیں پہنچاتا ہے۔ جیل خانے میں بند کر دیتا ہے اور موت کے تختہ دار پر لٹکانے سے گریز نہیں کرتا۔ میری اس گفتگو پر وہ غصہ سے کانپ اٹھا اور امیر المومنین سے مخاطب ہو کر التجا کی کہ آپ اس شخص کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں یہ تو گمراہ، بدعتی انسان ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ لہٰذا اس سے بچاؤ کا ایک راستہ ہے کہ آپ اپنی مملکت کے قاضیوں اور فقیہوں کو اکٹھا کریں اور ان سے استفسار کریں، چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا اور ان سے اس مسئلہ پر رائے زنی کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان سب نے بیک آواز کہا کہ یہ شخص جو قرآن پاک کو غیر مخلوق مانتا ہے۔ سراسر گمراہ ہے اور

لوگوں کو گمراہی کی جانب دھکیل رہا ہے۔ جب بھری مجلس میں انہوں نے یہ غلط باتیں کہیں تو میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ میں نے گرجدار آواز کے ساتھ ان کی فسوں کاری کا طلسم توڑتے ہوئے انہیں خاموش کرا دیا اور وہ میرے دلائل سنتے رہے ان میں سے عبدالرحمان بن اسحاق نے اپنے مدعا کے اثبات میں (ما یاتیہم من ذکر من ربہم محدث)[1] آیت تلاوت کی اس کا مقصد یہ تھا کہ جب اس آیت میں ذکر کو محدث کہا گیا ہے اور ذکر سے مراد قرآن پاک ہے تو ذکر محدث یقیناً مخلوق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں کہ محدث غیر مخلوق نہیں کہلا سکتا۔

میں نے اس کا مغالطہ دور کرتے ہوئے یہ آیت تلاوت کی کہ ارشاد خداوندی ہے (ص والقرآن ذی الذکر)[2] اس آیت سے میں ثابت کرنا چاہتا تھا کہ قرآن پاک کو الذکر الف لام کے ساتھ کہا گیا ہے اور جب اس پر الف لام نہ ہو تو اس کا اطلاق صرف قرآن پاک پر نہیں ہوتا۔ عام ہوتا ہے اور آپ نے جو دلیل پیش کی ہے اس میں ذکر کا لفظ الف لام سے خالی ہے پس اس سے قرآن پاک مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

مجلس میں ابن سماعہ بھی موجود تھا وہ میری دلیل نہ سن سکا تھا۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ اس کے قریب والوں نے اسے میرے جواب سے مطلع کیا تو وہ خاموش ہو گیا البتہ حاضرین میں سے ایک شخص سے نہ رہا گیا۔ اس نے میری دلیل اور حاضر جوابی پر مسرت کا اظہار کیا اور خراج تحسین پیش کیا اور خصوصیت کے ساتھ مجھے مشورہ دیا کہ اللہ کا قرب ڈھونڈنے کے لیے اس کے کلام کے ساتھ استناد سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ کو اپنے کلام سے زیادہ کسی دوسرے کلام سے محبت نہیں۔ میں نے ان کی تائید کی۔[3]

---

[1] الانبیاء ۲) [2] ص ۱) [3] محمد بن سماعہ بن عبید اللہ حلال بن وکیع ائمہ سے شمار ہوتے ہیں۔ متقی صالح انسان تھے۔ مذاہب میں ان کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں اور ان کی قابل قدر تصنیفات بھی ہیں۔ منصب قضا پر بھی فائز رہے ۲۳۳ھ میں فوت ہوئے النجوم ج ۲ ص ۲۷، البدایہ ج ۱۰ ص ۳۱۲
[3] مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۳۲۲۔

لیکن ابن ابی داؤد خشمگیں نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور غصہ سے تھر تھر کانپ رہا تھا اس لیے کہ وہ میرے دلائل کا جواب دینے کی سکت نہیں پا رہا تھا تمام حاضرین پر سکتہ طاری تھا اس اثنار میں ابن عرعرہ نامی انسان نے ایک حدیث ان اللہ خلق الذکر پیش کی جس میں اس نے الذکر یعنی قرآن پاک کو مخلوق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔

میں نے حاضرین کو متوجہ کیا اور ان کی غلط بیانی سے آگاہ کیا اور بتایا کہ حدیث کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے اور اس کے متعدد طریق ہیں۔ جن میں (ان اللہ کتب الذکر) کے الفاظ ہیں یعنی خلق کا لفظ غلط ہے صحیح لفظ کتب ہے جس سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ میں مطمئن تھا کہ اب ان کے لیے خاموشی کے علاوہ کچھ چارہ کار نہیں؛ چنانچہ میں نے حاضرین پر ایک نگاہ ڈالی تو مجھے محسوس ہوا کہ اگرچہ یہ لوگ میرے دلائل کے جواب سے عاجز ہیں تاہم یہ مجھے برداشت نہیں کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتے۔ صرف ایک شخص جسکا نام ابو اسحاق تھا اس کا انداز میرے ساتھ مشفقانہ تھا۔ اگر وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتا تو میرا قتل ہونا یقینی تھا۔

کیا ابن ابی دؤاد عالم تھا؟

اس سوال پر روشنی ڈالتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا وہ اجہل الناس تھا۔ اسے علم کے ساتھ کچھ واسطہ نہیں تھا۔ البتہ اس کا تعلق بصرہ کے معتزلہ کے ساتھ تھا۔ جن کے ہاں اس کا آنا جانا تھا۔ ان کے علمار برغوث وغیرہ سے وہ کچھ باتیں سیکھتا اور ان کی تشہیر کرتا تھا جس سے بظاہر لوگوں کو شبہ گزرتا کہ یہ شخص عالم ہے حالانکہ وہ علم سے یکسر کورا تھا چنانچہ جب ابوبکر بن عبید اللہ نے امام صاحب سے ان کے مناظر، متکلم ہونے کا استفسار کیا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن اس نے میرے سامنے ایک مسئلہ چھیڑ دیا۔ میں نے کہا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش کرو۔ اس نے جواب دیتے ہوئے مجھ پر الزام لگایا تو کہا آپ

صرف کتاب وسنت سے ہی تمام باتیں پیش کرتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسلام کا قیام ہی کتاب وسنت کے ساتھ ہے لیکن تم نے تاویلات کا دروازہ کھول رکھا ہے اور آراء کو مقدم سمجھتے ہوئے ان کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہو۔ میری باتیں سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

عبدالرحمان بن اسحاق سے باسند متصل منقول ہے کہ جب امام احمد جیل سے رہا ہوئے تو محض اس لیے کہ میں امام احمد سے ہمکلام کیوں ہوا۔ ابن ابی دؤاد مجھ پر خفا ہو گئے اور مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ میرے والد نے امام صاحب سے استفسار کیا کہ عبدالرحمان نے آپ سے کون سی ایسی بات کہہ دی ہے؟ جس کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا ہے۔ تو امام احمد نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمان سے پوچھا تھا کہ وہ اللہ کے علم کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں جب انہوں نے اس کا جواب نہ دیا تو پھر میں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا اس سے زیادہ ان سے میری گفتگو نہیں ہوئی میں سمجھتا ہوں بلاوجہ ہی انہیں معزول کر دیا گیا ہے۔

امام احمد بیان کرتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں جب میرے مخالفین کے پاس دلائل ختم ہو جاتے تو ابن ابی دؤاد ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع کر دیتا کوئی کام کی بات اس کی زبان سے نہ نکلتی پھر اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے مجلس برخاست کر دی جاتی تو لوگ اپنے اپنے گھروں کی جانب روانہ ہو جاتے۔ ایک دن جب کہ حاضرین گھروں کی طرف جا چکے تھے۔ ابو اسحاق عمداً رک گیا۔ اس نے عبدالرحمان بن اسحاق کو بھی رکنے کے لیے کہا وہ دونوں تنہائی میں میرے پاس آئے اور ابو اسحاق نے کہا دیکھئے صالح رشیدی میرے استاذ ہیں۔ اور سنت کے دلدادہ ہیں۔ ایک روز انہوں نے بھی قرآن پاک کے بارے میں آپ کی طرح باتیں کی تھیں تو میں نے ان کے بارے میں حکم دیا تھا کہ ان کو پکڑ کر گھسیٹا جائے اور مارا جائے تو آپ کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ اب اس نظریے سے تائب ہو چکے ہیں تو میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ بھی یہ نظریہ چھوڑ دیں۔ عبدالرحمان بن اسحاق نے جب دیکھا کہ امام احمد

کسی دباؤ میں آکر اپنے نظریات چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو وہ امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

اے امیر المومنین! میں اور امام احمد بیس سال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ آپ کی رفاقت میں حج کرتے رہے اور آپ کے لشکر میں شریک ہو کر جہاد کرتے رہے۔ صرف ایک مسئلہ میں آپ کے ساتھ مخالفت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دو روز میں امام صاحب اس مسئلہ میں بھی آپ کی رائے تسلیم کر لیں۔ میری بات سن کر ابو اسحاق نے کہا خدا کی قسم امام صاحب بڑے فاضل فقیہ انسان ہیں۔ ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ وہ اصلاحات میں سربرآوردہ ہیں اگر وہ خلق قرآن کے مسئلہ میں میرے ساتھ ہمنوا ہو جائیں تو میں فوراً ان کی رہائی کرا سکتا ہوں۔ ان باتوں سے امیر المومنین متاثر ہوتے ہیں اور امام احمد سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ اے احمد! آپ کے مسئلہ نے مجھے سخت پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ اگر مجھ سے پہلے حکمرانوں نے تجھے گرفتار نہ کیا ہوتا تو میں کبھی بھی اس قسم کی جرأت نہ کرتا اور میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ کا مسئلہ کسی طور پر حل ہو جاتا ہے تو میں کبھی کسی کو اس قسم کے مسائل کی وجہ سے گرفتار نہیں کروں گا۔ پھر ان کی جلالت علمی پہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یوں مخاطب ہوتے۔ اے احمد! افسوس ہے کہ آپ علمی لحاظ سے تو اونچے مقام پر فائز ہیں لیکن خلق قرآن کے مسئلہ میں کیوں اس قدر بہک گئے اور جمہور علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔

امام احمد باوقار انداز میں ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

اے امیر المومنین! آپ جمہور علماء سے کہیں کہ وہ اس مسئلہ میں میرے سامنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی دلیل پیش کریں تو میں ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے تیار ہوں۔

امام صاحب نے ایسا مسکت جواب دیا کہ امیر المومنین کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ خاموش ہو جائے، چنانچہ طویل خاموشی کے بعد

امیر المومنین مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کوئی جواب نہ دیا ان کے جانے سے مجلس برخاست ہو گئی اور مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

جیل میں میرے ساتھ امام شافعی، امام غسان بھی بھیج دیئے جاتے ہیں۔ ان دنوں رمضان کا مہینہ تھا۔ ہم سب روزہ رکھتے۔ شام کے وقت وہ دونوں افطاری کھاتے لیکن میں صرف اسقدر تناول کرتا جس سے جسم اور روح کا رشتہ برقرار رہ سکے۔

ایک روز ابوبکر بن عبداللہ نے امام صاحب کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ اگر آپ نے ان کی ہمنوائی نہ کی تو خطرہ ہے کہ کہیں آپ قتل نہ کر دیا جائے۔ امام صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا میرا پاؤں جادہ حق سے ڈگمگا نہیں سکتا اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ پکے عزم کے مالک نہیں ہیں اور مجھے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے جو ہر لمحہ میری معاونت فرما رہا ہے۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں پچیس رمضان المبارک کی رات کا واقعہ ہے میں مسجد میں نماز تراویح ادا کر رہا تھا کہ اسحاق بن ابراہیم کا قاصد آیا اس نے امیر المومنین کے حکم سے مجھے سواری پر بٹھایا اور ہم اسحاق بن ابراہیم کے گھر کی جانب چل دیئے۔ وہ رات میں نے اس کے گھر پر گزاری صبح ہوئی تو میری آنکھوں نے دیکھا کہ امام احمد کی کمر پر کوڑے برسائے جا رہے ہیں لیکن وہ شجاعت و مردانگی کی سراپا تصویر بنے ہوئے ہیں۔ اور اپنے نظریہ سے سر مو سرکنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اسی صبح کو میری جانب ابواسحاق نے اپنا قاصد ابن حماد بن دنفش روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ امیر المومنین آپ پر سلام کہتے ہیں اور پیغام دیتے ہیں کہ آپ کے چچازاد بھائی احمد بن حنبل عجیب انسان ہیں کہ جب انہیں دلائل بیان کرنے کی اجازت ملتی ہے تو وہ خم ٹھونک کر اپنے مدعا کے حق میں فراوانی کے ساتھ دلائل پیش کرتے ہیں اور جب ان کے مخالفین ان پر حجت قائم کرتے ہوتے دلائل کی زبان میں ان سے ہمکلام ہوتے ہیں تو وہ جواب دینے سے گریز کرتے ہیں اور برابر یہی رٹ لگاتے

رہتے ہیں کہ میں صرف نقلی دلائل سن سکتا ہوں ان کا یہ انداز ناقابلِ فہم ہے اور کیا ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہمارے تمام دلائل کا جواب دیں جب کہ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔

اسحاق بن حنبل راوی ہیں کہ میرا والد حنبل امام احمد کے ہاں گیا اور ان کو ناصحانہ مشفقانہ انداز میں مسئلہ کے نتائج کے تمام پہلوؤں سے آگاہ کیا اور کہا جہاں تک مسئلہ خلق قرآن کی وضاحت کا تقاضا تھا۔ بحمد اللہ آپ اس سے عہدہ برا ہو چکے ہیں اب تمہارا معذور ہونا اظہر من الشمس ہے۔ لہٰذا مزید ابتلا کی آگ میں اپنے آپ کو جھونکنا دانشمندی نہیں۔

امام احمد نے ان کی باتیں غور سے سنیں لیکن خاموش رہے۔ کوئی جواب نہ دیا اتنے میں ابن ابی دواد آ دھمکے ان کی موجودگی میں غسان نے ابو اسحاق سے کہا اگر مجھے اجازت فرمائیں تو میں اس مسئلہ پر امام صاحب سے بات چیت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس لیے کہ ہم دونوں کا وطن ایک ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں انہیں قائل کر سکوں گا۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔

چنانچہ غسان نے بات چیت میں اپنی مدد کے لیے شافعی اعمیٰ کو بھی شریک کر لیا ان دونوں نے امام صاحب سے گفتگو کی بحث و مناظرہ کی مجلس میں وہ دونوں دلائل کے لحاظ سے کمزور ثابت ہوئے ابن ابی داؤد سے نہ رہا گیا جب اس نے دیکھا کہ امام صاحب کا مقابلہ کرنے کی ان میں سکت نہیں تو وہ خود مناظرہ کے میدان میں کود پڑا اور درد بھرے لہجہ میں امام صاحب سے مخاطب ہو کر کہا اے احمد بن حنبل! مجھے تم پر ترس آرہا ہے تم کیوں اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے ہو اور مجھے اس سے شدید صدمہ پہنچا کہ تم بھی ان لوگوں کے ساتھ امیر المومنین کی مخالفت میں پیش پیش ہو جن کی کچھ وقعت نہیں۔

آپ کی عظمت شان کے خلاف ہے کہ آپ ان لوگوں کی معاونت کریں جن کی امیر المومنین کے ہاں کچھ حیثیت نہیں مجھے یقین ہے کہ آپ میری گزارش پہ ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

اور اپنے موقف پر نظر ثانی کریں گے۔ امام احمد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے سوفیانہ اعتراضات کا کچھ جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ البتہ اگر تمہارے پاس کتاب و سنت سے اخذ کردہ دلائل موجود ہیں تو پیش کرو میں غور کر سکتا ہوں۔

امام صاحب کی صاف گوئی سے مایوس ہو کر ابن ابی دوًاد برافروختہ ہو کر کہتا ہے تو کیا آپ کے تمام دلائل کتاب و سنت سے اخذ کردہ ہیں۔ اے احمد! یاد رکھ اگر تو نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو تجھے نہ صرف مصائب جھیلنے پڑیں گے۔ بلکہ تلوار کی دھار سے تیری زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

ابن ابی دوًاد نے نہایت تند و تلخ لہجہ میں دھمکی دی اور مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب اس کے قتل کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔ میں نے اس کے غصہ کو فرد کرنے کی کوشش کی اور ان سے اجازت طلب کی کہ ایک بار پھر مجھے ان سے تنہائی میں بات کرنے کی اجازت دی جائے لیکن ابن ابی دوًاد جس کا جسم غصہ سے تھر تھر کانپ رہا تھا وہ برابر یہ کلمات دہرا رہا تھا کہ اب معاملہ انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا اب قتل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس کا مایوس کن جواب سن کر میں خاموش ہو گیا اس کے بعد وہ وہاں سے چل دیا اور امام صاحب کے متعلق حکم دیا کہ اس کو پھر جیل پہنچا دیا جائے۔

اسحاق بن حنبل راوی ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا کہ جب امام احمد جیل کی طرف جا رہے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب دروازے پر پہنچے تو میں نے ابن ابی دوًاد سے گزارش کی کہ وہ دربان سے کہے کہ مجھے اندر جانے دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ابن دنقش دربان کی جانب متوجہ ہو کر اس سے کہا کہ حنبل سے تو ہمیں کچھ پرخاش نہیں لہٰذا اس کو نہ روکا جائے البتہ احمد بن حنبل کو جیل میں محبوس

کر دیا جائے۔ جیل کی جانب روانہ ہوتے وقت امام صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ یہیں قیام رکھیں تاکہ آپ کو ہمارا انجام معلوم ہو جائے۔ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس غرض سے تو میں آپ کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں تاکہ اگر خدانخواستہ آپ کو قتل کر دیا جاتا ہے جیسا کہ وہ اس پر متفق ہو چکے ہیں تو میں آپ کے اٹھانے اور کفن دفن کا انتظام کر سکوں گا؛ چنانچہ میں نے وہاں ایک خیمے میں رہائش کر لی۔ اس اثنا میں عبدالرحمان میرے قریب آکر بیٹھ گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ امیرالمومنین نے امام احمد کے متعلق کل مجھے بلایا تھا اور ان کے کوائف معلوم کیے تھے۔ میں نے پوچھا تو آپ نے کیا ریمارکس دیئے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں نے امیرالمومنین کو ان کے علم و ادب سے اس انداز سے روشناس کرایا کہ ان کی ہیبت کا سکہ امیرالمومنین کے قلب پر بیٹھ گیا۔ مزید میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ امام صاحب کا خاندان پرانا علمی خاندان ہے جس کی عظمت و شہرت ہر سو پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ عبدالرحمان نے از راہ ہمدردی مجھے کہا کہ آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ آپ امام صاحب کی طرح کھل کر امیرالمومنین کی مخالفت نہ کریں۔

ان کی اس بات سے میرا دل و دماغ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا؛ چنانچہ یہ خوف مجھ پر اس قدر غالب آگیا کہ مجھے امام احمد کے بارے میں جو فکر دامن گیر تھا وہ کالعدم ہو گیا اور مجھے اپنی ذات کے متعلق پریشانی نے سب کچھ بھلا دیا لیکن کرنا خدا کا کہ امام احمد کے بارے میں صورت حال زیادہ تشویشناک نہ رہی اور میرے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہوا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی ایک مجلس میں نوفلی نے ابن ابی دواد کے رفقا سے استہزاءً کہا کہ امام احمد تو بالکل جاہل انسان ہے اس شخص کا علم قرآن پاک کے بارے میں بالکل سطحی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص علم کے ابجد سے بھی واقفیت نہیں رکھتا ہے۔ میں نے یہ باتیں اگرچہ نہایت بے تابی کی حالت میں سنیں تاہم خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔

امام احمد اپنے خلاف بیانات دینے والوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ

امیر المومنین کی موجودگی میں جب میری مخالفت میں عبدالرحمان ابن عرعرۃ اور یمانی نے شدومد کا مظاہرہ کیا تو مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا اور مجھ پر سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس دوران کیا دیکھتا ہوں کہ برغوث کھڑا ہوتا ہے اور میرے کافر ہونے اور میرے خون کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتا ہے اور میرے خون کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے میرے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ برغوث کی طرح شعیب بھی میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے اور میرے خون کے حلال ہونے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ ان کی باتوں کا جواب صرف میں نے اتنا ہی دیا کہ سخت تعجب انگیز بات ہے کہ تم میرے خون کو حلال گردانتے ہو۔ حالانکہ میں مسلمان ہوں اور کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جب تک کہ شرعی سبب نہ ہو۔

لیکن امیر المومنین نے ان کی باتوں کا کچھ نوٹس نہ لیا اور تمام مجلس میں صرف برغوث اور شعیب دو السان ایسے تھے جو میری زندگی کے چراغ کو گل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے اور ان کی خباثت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ ابن سماعہ بھی اگرچہ میری مخالفت کے ہراول دستہ میں شریک تھا۔ تاہم اس کی گفتگو کا انداز خاصا شریفانہ تھا۔ لب و لہجہ نرم تھا؛ چنانچہ اس نے امیر المومنین کے سامنے میرے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ رپورٹ پیش کی؛ اے امیر المومنین! امام احمد شریف خاندان کا ایک فرد ہے۔ ہم قدیم زمانہ سے اس خاندان کے علم و فضل سے استفادہ کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آخر کار آپ کو ہی غلبہ حاصل ہوگا۔ جب کہ امام صاحب آپ کے موقف کو اپنا لیں گے ابن سماعۃ کی اس بات سے امیر المومنین بہت متاثر ہوئے اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

امام احمد! مجھے رات بھر نیند نہیں آتی۔ تمام رات اس خیال میں گزر جاتی ہے کہ اس اختلاف کو کس طرح ختم کیا جائے۔ یاد رکھیں میرا دلی ارادہ یہی ہے کہ آپ کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ اختیار کیا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں اور نظر ثانی کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اللہ سے ڈرو کہیں

ایسا نہ ہو کہ تمہیں اس کی پاداش میں تختۂ دار پر نہ لٹکنا پڑے۔

امام احمد خود بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن پر مناظرہ کا تیسرا دن تھا۔ ابن ابی دؤاد کا لب و لہجہ تند و تیز تھا؛ چونکہ دلائل میں معقولیت کارفرما نہ تھی اس لیے میں ان کا جواب دینے میں خاموشی اختیار کرتا رہا۔ اور جب امیر المومنین گفتگو فرماتے تو ان کے جواب میں میرا لب و لہجہ خاصا نرم ہوتا اگرچہ دلائل کے لحاظ سے کسی قسم کی کمزوری کارفرما نہ ہوتی۔ اور میرے دلائل کے سامنے ان کے پاس خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا جب ان سے میرے دلائل کا جواب نہ بن آیا تو امیر المومنین نے مجھ سے مخاطب کیا۔

احمد! تم میری بات مان جاؤ اور میرے موقف کے صحیح ہونے کا اعلان کر دو مجھے خبر ملی ہے کہ تم منصب جلیلہ کے خواہش مند ہو (دراصل امیر المومنین کے مصاحبین نے ان کو امام صاحب کے خلاف اکسایا اور غلط بیانی سے ان کے خلاف غم و غصہ کی آگ کو بھڑکانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور غلط الزامات لگا کر اپنی خبیث خواہشات کو تسکین دینے کا غیر انسانی پارٹ ادا کیا) تو اگر تم میری بات تسلیم کر لیتے ہو تو اس میں نہ صرف یہ کہ تمہیں جیل سے رہا کر دیا جائے گا۔ بلکہ آپ کا شاہانہ استقبال ہوگا اعیان سلطنت دیگر سرکاری ملازمین آپ کے دائیں بائیں ہوں گے اور تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں منصب جلیلہ پر متمکن کر دیا جائے گا صرف یہی نہیں بلکہ تمہاری عظمت شان پر قصائد کہے جائیں گے اور تمہاری شہرت کے پرچار میں سرکاری ذرائع استعمال کیے جائیں گے۔ اے احمد! اللہ کا ڈر اختیار کرو اور اپنی جان کی سلامتی کا راستہ اختیار کرو۔

میں نے امیر المومنین کی ترغیب و تحریص آمیز باتوں کو غور سے سنا اور غیر مبہم الفاظ میں اعلان کیا۔ اے امیر المومنین! ہمارے سامنے قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ صحیح احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔ اگر آپ اپنا موقف ان کی روشنی میں واضح کر دیں تو مجھے آپ کا موقف اختیار کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ نہیں

میرے اس واضح اعلان پر میرے مخالفین آگ بگولا ہو گئے۔ اور یکے بعد دیگرے

سب نے مجھ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی اگرچہ ان کے بلند بانگ دعوے حقائق سے خالی تھے تاہم میں اعتراضات کے مسکت جوابات دیتا جا رہا تھا۔ چونکہ ان کے دلائل کا ماخذ کتاب وسنت نہ تھا۔ اس لیے میں ان کی واقفیت سے صاف لفظوں میں انکار کرتا جسکے بعد انکے پاس خاموش ہو جانے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔

جب وہ اپنے ترکش کے تمام تیر پھینکنے کے باوجود کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئے تو اپنی شکست چھپاتے ہوئے کہنے لگے۔

یہ شخص عجیب ہے اپنے دلائل بڑے جوش وخروش سے پیش کرتا ہے اور ہم پر برتری اور تفوق کا اظہار کرتا ہے لیکن ہمارے دلائل کا جواب دینے سے عاجز ہے اور یہی رٹ لگاتا رہتا ہے کہ معلوم نہیں آپ کے دلائل کا ماخذ کیا ہے۔ پس کتاب وسنت سے دلائل پیش کرو۔ اس کے علاوہ دین میں کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی اسلام میں کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور چیز کی خاص اہمیت ہے۔

امام صاحب بیان کرتے ہیں۔

امیرالمومنین کا علم سطحی قسم کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے میرے مخالفین کی حمایت میں سرگرم عمل رہا اور مجھے مسلسل اللہ سے ڈرنے اور موقف چھوڑنے کا وعظ کرتا رہا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انکا موقف سخت کمزور تھا اور وہ دلائل کی زبان سے عاری تھے۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں تو ان سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ اس کے علاوہ بھی ان سے متعدد سوالات کیے۔ لیکن چونکہ وہ علم کے میدان میں بالکل مبتدی تھے۔ اس لیے وہ کوئی خاطر خواہ جواب نہ پیش کر سکے۔ دوران مناظرہ میں نے انکے دلائل کا موازنہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ قرآن پاک کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہیں۔ جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا بلکہ بعض دلائل کا تعلق تو مقصود سے بالکل نہیں ہوتا اور وہ قطعاً اس قابل نہیں کہ انہیں زبان پر لایا جائے۔ لیکن میری جانب سے بیان کردہ دلائل کا جب ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے

کہ یہ حدیثیں من گھڑت ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی شہادت موجود نہ ہوتی وہ لوگ واضح مشہور متداول احادیث اور آثار کی تکذیب سے کچھ گھبراہٹ محسوس نہ کرتے بلکہ پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے صحیح احادیث کا انکار کر کے اپنے باطل نظریات کا تحفظ کرتے۔ چنانچہ برغوث کے ہفوات سنئے۔

برغوث کے ہفوات قرآن پاک بھی دیگر کائنات کی طرح مخلوق ہے اس کو اللہ کا کلام قرار دینا کفر ہے۔ پھر اس سے یہ بھی ثابت آئے گا کہ اللہ کا جسم ہے پس جو شخص قرآن پاک کو اللہ کا کلام سمجھتا ہے اور غیر مخلوق کہتا ہے اس کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہے۔

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کی ذات کا وصف جس طرح قرآن پاک میں بیان ہے بلا کم وکاست اس طرح بیان کرنے کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن اس مسئلہ میں جو ٹیڑھا موقف تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ کسی کا محتاج نہیں اس کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا کوئی مثیل ہے۔ میرا جواب سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

قرآن اللہ کا کلام ہے امام احمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب اپنے مدعا کے اثبات میں صحیح حدیثیں پیش کیں تو وہ یہ کہہ کر بھاگ کھڑے ہوئے کہ ان کی اسانید میں اختلاف ضعف کا باعث ہے علاوہ ازیں یہ حدیثیں علل سے بھی خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم انہیں تسلیم نہیں کرتے۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ اس طرح خاموش ہونے والے نہیں ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ قرآن پاک کے سچا ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں۔ ہم سب اس کو منزل من اللہ کتاب مانتے ہیں۔ اور اس پر تمام کا اتفاق ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں ہے

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ یعنی اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کر کے ان کی کرامت کو ثابت فرما دیا۔ پھر تکلیماً کا لفظ تاکید کے لیے ہے تو

کیاتم احادیث کی طرح اس کے انکار کی طاقت رکھتے ہو؟ ہرگز نہیں۔

اسی طرح اللہ پاک فرماتے ہیں" یاموسیٰ انی انا اللہ لا الہ الا انا" اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، کیا اس آیت میں یائے متکلم سے مراد غیر اللہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس میں اللہ کے لیے کلام کا وصف ثابت نہیں ہو رہا ہے تو کس طرح تم کلام کی نفی کرتے ہو۔

اسی طرح اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے موسیٰ مت خوف کرو۔ انی انا ربك فاخلع نعليك تو کیا یہ کلام نہیں اور تم کس طرح اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح (واذ قال ابراھیم لابیه یا ابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر اور جب ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا اے ابا تم ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتی ہوں اور نہ دیکھتی ہوں۔ یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی مذمت فرماتے ہیں کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کر رہا ہے جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں کیا اس کے انکار کی کچھ گنجائش ہے۔ یہ سب اللہ کا کلام ہے۔ پس اس کو کلام قرار نہ دینا بلکہ مخلوق سمجھنا دراصل قرآن پاک کی تکذیب کرنا ہے۔

اے امیر المومنین! اللہ کی کتاب سے روگردانی کر کے کہاں جاؤ گے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ البتہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے لیکن مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں تاہم وہ لوگ کہاں ماننے والے تھے وہ برابر مخالفت کرتے رہے اور ان کے انکار میں کچھ فرق نہ آیا۔ امیر المومنین اگرچہ خاموش تھے لیکن ان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکے اور وہ لگاتار حسب عادت اللہ کے وصف کلام اور رویت کا انکار ہی کرتے رہے اور کچھ عرصہ تک مجھ سے مخاطب نہ ہوئے۔

ابن ابی دؤاد نے (جو اپنے تمام ساتھیوں سے ہوشیار چالاک زبان دراز تھا) امیر المومنین سے کہا اگر یہ شخص ہماری بات تسلیم کرے تو مجھے شاہی خزانہ سے لاکھوں روپیہ عطیہ پانے کی اتنی خوشی نہ ہو گی جتنی ان کے اس

مسئلے کو تسلیم کرنے کی ہو گی۔

مخالفین میں سب سے زیادہ نرم رویہ اختیار کرنے والا اور میری طرف میلان رکھنے والا عبدالرحمان تھا جس کی برابر یہ کوشش رہی کہ مجھ پر تشدد روا نہ رکھا جائے۔

البتہ شعیب اور برغوث تو میرے خون کے پیاسے تھے اور وہ ہر وقت میرے قتل کے منصوبے سوچتے رہتے تھے۔

جب میرے مخالفین میرے دلائل کا جواب دینے سے عاجز آ گئے تو ابن ابی دؤاد نے مجھے دھمکاتے ہوئے کہا۔ اے احمد! امیرالمومنین نے آج قسم اٹھا کر کہا ہے کہ تجھے شدید قسم کی اذیتیں دی جائیں اور سخت تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے اور کوڑے برسائے جائیں۔ میں نے کہا اس سے پہلے کہ مجھ پر کوڑے برسائے جائیں ایک کھلی مجلس میں مجھے اپنا موقف بیان کرنے کی اجازت دی جائے، چنانچہ مجھے حسب خواہش میدان مناظرہ میں لایا گیا لیکن اس سے پہلے کہ میں جیل سے چلتا چونکہ میری شلوار ازار بند کے بغیر تھی اس لیے میں نے کسی واقف انسان سے ازار بند طلب کیا تاکہ پیدل چلتے ہوئے راستہ میں شلوار کھل کر نیچے نہ گر جائے۔ جب میں وہاں پہنچا تو مجلس میں تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ امیرالمومنین کے قریب ابن ابی دؤاد اپنے رفقاء میں (جو مخالفت میں پیش پیش تھا) بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اعلان کیا کہ اس شخص سے مناظرہ کرو۔ شاید یہ اپنا موقف چھوڑ دے۔ ابھی سلسلہ کلام شروع ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں نے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہا۔ کس طرح انہوں نے اللہ کے ماسوی سب کو مخلوق قرار دیا۔ ہے جب کہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔ الا لہ الخلق و الامر (خبردار اسی کے لیے ہی پیدا کرنا اور حکم دینا ہے)۔ معلوم ہوا کہ خلق اور امر میں فرق ہے اور اللہ پاک کے علاوہ اگرچہ تمام کائنات مخلوق ہے لیکن قرآن پاک مخلوق نہیں وہ اللہ کا کلام اور اس کا امر ہے۔

میری دلیل پر نقض پیش کرتے ہوئے شعیب نے کہا قرآن پاک میں ہے۔

انا جعلناہ قرآنا پس جب قرآن مجعول ہے تو ہر مجعول چیز مخلوق ہے لہذا قرآن پاک بھی مخلوق ہوا۔

میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص زبان کے استعمالات سے کماحقہ واقف نہیں ؛چنانچہ لفظ جعل کا حقیقی مفہوم واضح کرتے ہوئے میں نے فجعلھم جذاذا[1] اس نے بتوں کو پاش پاش کر دیا) اور [2] فجعلھم کعصف ماکول اس نے ان کو چبائے ہوئے بھوسہ کی مانند کر دیا) آیتیں پیش کیں اور دریافت کیا کہ جب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اصحاب الفیل کو کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند کر دیا تو کیا یہاں ان کے مخلوق ہونے کی کوئی صورت موجود ہے ؟ جواب نفی میں تھا۔ معلوم ہوا ہر مجعول کو مخلوق قرار دینا صحیح نہیں بلکہ جعل مفہوم کے لحاظ سے خلق سے کہیں قدیم ہے میری وضاحت کے سامنے وہ خاموش ہو رہا اور اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔

پھر اس نے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون[3] اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ آیت سے خلق اور امر کو مترادف قرار دینے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا میں نے دو ٹوک جواب دیا اور کہا کہ خلق اور امر میں تغائر ہے دیکھئے قرآن پاک میں ہے۔ "اتی امر اللہ" اللہ کا حکم یعنی عذاب آ ہی گیا، تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ امر سے مراد اللہ کا کلام اور اس کی استطاعت ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کا امر اور کلام مخلوق نہیں ہیں پس تمہارے لیے جائز نہیں کہ کتاب اللہ کی غلط تاویلات اور تعبیرات کرتے پھرو۔ اس لیے کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ میری ان باتوں کو سنتے ہی وہ سیخ پا ہو گئے اور میرے کافر ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ پھر انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے ص والقرآن ذی الذکر[4] (ص قسم ہے قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے۔) آیت پڑھی۔

---

[1] الانبیاء ۵۸ [2] الفیل ۵ [3] یٰسین ۸۲۔ [4] ص ۱۔

اس کے ساتھ ہی دوسری آیت مایاتیھم من ذکر من ربھم محدث ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے نہیں آتی، پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو ذکر محدث کہا گیا ہے اور محدث کا مخلوق ہونا ضروری ہے۔ لہذا قرآن پاک مخلوق ہے۔ میں نے کہا دیکھئے اول ص والقرآن ذی الذکر میں الذکر[1] معرف باللام ہے جس سے مراد قرآن پاک ہے اور ما یاتیھم من ذکر[2] میں ذکر غیر معرف باللام ہے جس سے مراد قرآن پاک نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ ان میں اتنی تمیز بھی نہیں ہے کہ عربی زبان کے استعمالات سے واقف ہوں اگر ان کے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی دلیل موجود ہے تو پیش کریں اور رایت کی صحیح تعبیر پیش کریں ورگرنہ قرآن پاک میں مجادلہ جائز نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ (المراء فی القرآن کفر) قرآن پاک میں جھگڑا کرنا کفر ہے، پس میں تو قرآن پاک میں جھگڑا کرنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ میرے سامنے قرآن پاک کی تشریح میں احادیث آثار موجود ہیں۔ ان کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم میرے بارے میں اللہ سے ڈر جاؤ۔ میرا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ بخدا جب کسی چیز کو میں قرآن پاک کی روشنی میں صحیح سمجھتا ہوں اور دلائل کے ساتھ اس کی صداقت میرے سامنے واضح ہو جاتی ہے تو میں مضبوطی کے ساتھ اس کو اختیار کر لیتا ہوں۔ دوران گفتگو مجھے محسوس ہوا کہ میری باتیں امیر المومنین پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اس پر سکوت طاری ہو گیا اور شدت میں کمی آگئی بلکہ اس کی ظاہری کیفیت پتہ دے رہی تھی کہ اس کے خیالات میں تبدیلی آچکی ہے اور اس کے دل میں میرے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ابھر آیا ہے۔

جب مصاحبین نے امیر المومنین میں غیر معمولی تبدیلی محسوس کی تو انہوں نے اس کو تنہا چھوڑنا مناسب خیال نہ کیا، چنانچہ اسحاق اور ابن ابی دؤاد اس کے گرد بیٹھے

---

[1] ص ۱ [2] الانبیاء ۲

رہے اور میرے خلاف اکساتے رہے انھوں نے زور دے کر کہا کہ احمد بن حنبل کو آزاد کرنا مصلحت کے خلاف ہے یہ وہ شخص ہے جو آپ سے پہلے دو خلیفوں کی مخالفت کرتا رہا ہے اس کا وجود سم قاتل ہے عوام الناس ان کی چرب زبانی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے اور ملک کی سلامتی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے ساتھ قطعاً نرم برتاؤ نہ کیا جائے۔

حاضرین میں سے خبیث ابن ابی دوٴاد گرجدار آواز میں امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ جس شخص پر آپ کا دل نرم ہو چکا ہے۔ یہ گمراہ انسان ہے اور خطرہ ہے کہ کہیں اس کا جادو عوام پر نہ چل جائے اور وہ بھی اس کے ہمنوا نہ بن جائیں۔

اسحاق نے حاضرین پر نظر دوڑائی اور امیر المومنین سے کہا کہ یہ شخص مسلمان نہیں اس کا گمراہ ہونا ظاہر باہر ہے اس کے ساتھ نرم برتاؤ اختیار کرنا ظلم عظیم ہے بلکہ اگر اس کو جیل سے رہائی حاصل ہو گئی تو یہ ایسا غلط اقدام ہوگا۔ جس کی تلافی ممکن نہ ہوگی۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ آپ سے پہلے دو خلیفہ اس کی حرکات سکنات سے کس قدر نالاں رہے ہیں۔ وہ ابھی اپنی بات کو ختم نہیں کر پایا تھا کہ تمام معتزلہ کھڑے ہو گئے اور بیک زبان سب نے (امام احمد) کے کافر ہونے کا فتویٰ صادر کیا اور اس کے وجود کو مملکت اسلامیہ کے لیے ناسور قرار دیا۔ امیر المومنین تمام باتیں غور سے سنتے رہے۔ لحظہ بلحظہ ان میں تغیر رونما ہو رہا تھا اور میری مخالفت کا داعیہ تیز ہو رہا تھا؛ چنانچہ وفور جذبات سے مغلوب ہو کر ان کا لب ولہجہ تند و تیز ہو گیا اور میرے خلاف ان کے دل میں جو آگ سلگ رہی تھی وہ مشتعل ہو گئی؛ چنانچہ انھوں نے مجھے برا بھلا کہا اور مجھے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو پھر تجھے کوڑوں کی سزا سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

جب مجھے امیر المومنین غیظ وغضب کے لہجہ میں ڈانٹ پلا رہے تھے تو میں نے حاضرین پر ایک نگاہ ڈالی مجھے محسوس ہوا کہ جب امیر المومنین کا رویہ اتنا سخت ہے تو پھر عوام سے ہمدردی کی توقع رکھنا عبث ہے اور اس مجلس میں اپنے موقف کو کھلے لفظوں میں

پیش کرنا ضروری ہے چنانچہ عبدالرحمان نامی انسان جس کے دل میں میری محبت کی ادنیٰ سی جھلک نظر آرہی تھی بظاہر میں نے اس کو مخاطب کیا اور کہا یاد رکھیں قرآن پاک اللہ کا علم ہے اور جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ کا علم مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ میرے اس فتویٰ سے عبدالرحمان نے تو خاموشی اختیار کی البتہ اس کے علاوہ دیگر حاضرین نے امیرالمومنین کو مشتعل کرتے ہوئے کہا کہ یہ انسان صرف ہمیں ہی کافر نہیں کہتا ہے بلکہ تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ آپ کو بھی کافر کہتا ہے

حاضرین کے اکسانے پر امیرالمومنین ابن ابی دؤاد اس کے رفقاء عبدالرحمٰن کو ساتھ لے کر تنہائی میں مجھ سے ملے ان سب نے مجھے قائل کرنے کے تمام حربے استعمال کیے۔ خود امیرالمومنین محبت بھرے لہجہ میں کہنے لگے

احمد! مجھے تم سے محبت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کی کوئی اذیت پہنچے اور میں جس طرح اپنے بیٹے ہارون پر شفقت کرتا ہوں بالکل اسی طرح آپ پر بھی شفیق ہوں آپ کیوں مفت میں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں کس قدر خوشی ہوگی۔ اگر آپ ہماری بات تسلیم کرلیں امام احمد فرماتے ہیں میں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اے امیرالمؤمنین! آپ مجھے کفر کی دعوت دے رہے ہیں میرے لیے ممکن نہیں کہ میں آپ کی دعوت قبول کروں۔ ہاں اگر آپ کے موقف پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی دلیل موجود ہے تو پیش کریں۔ لیکن جب ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی تو وہ کیا پیش کرتے ان کی جانب سے بس یہی جواب تھا۔ احمد! اللہ آپ پر لعنت کرے (نعوذ باللہ) میں تیرے متعلق پر امید تھا۔ لیکن آہ! تمام امیدیں خاک میں مل گئیں کاش کہ میں تجھے نہ پہچانتا ہوتا پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار لیے جائیں۔ اسے کھینچ کر ٹکٹکی پر باندھ دیا جائے اور کوڑے برسائے جائیں۔

جب میں نے امیرالمومنین کا حکمنامہ سنا تو میں سزا لینے کیلئے تیار تھا۔ انہوں نے شاہی فرمان کے مطابق میرے بدن سے قمیض اتار لی۔ قمیض میں گرہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں۔ ابن الفضل

بن ربیع نے مجھے ان کا عطیہ دیا تھا

جب مجھے ٹکٹکی پر باندھا گیا تو میں نے امیرالمومنین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یاد رکھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ارشادِ نبوی کسی مسلمان کا خون حلال نہیں جو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ البتہ تین جرم ایسے ہیں۔ جن کی وجہ سے خون حلال ہو جاتا ہے۔ (الحدیث)

نیز آپ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑائی جاری رکھوں۔ جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جب وہ ایک اللہ کے معبود ہونے کا اقرار کرلیں گے تو ان کے خون اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔

ان احادیث کی روشنی میں مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ میرے خون کو کیوں حلال سمجھا جا رہا ہے اے امیرالمؤمنین یاد رکھ جس طرح آج میں تیری کچہری میں تیرے سامنے کھڑا ہوں اسی طرح ایک دن تجھے بھی اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اے امیرالمؤمنین اللہ کے جلال سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

جب میں نے یہ کلمات کہے تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے کلمات کا اس پہ اثر ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ اس پہ سکتہ طاری ہو گیا ابن ابی دوٗاد بھی بھانپ گیا کہ امیرالمؤمنین پہ ان باتوں کا خاصا اثر ہے اس لیے اس نے ان اثرات کو زائل کرنے کے لیے

امیرالمؤمنین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے امیرالمؤمنین آپ ایک کافر گمراہ انسان کی باتوں سے متاثر ہو رہے ہیں اس کے یہ کلمات سن کر مجھ سے بھی نہ رہا گیا۔ میں نے امیرالمؤمنین سے واشگاف الفاظ میں کہا اے امیرالمومنین میرے قتل میں اللہ سے ڈرو۔ قیامت کے روز کیا جواب دو گے۔ ابھی میں نے یہ کلمات پورے بھی نہیں کیے تھے کہ ہر طرف سے آوازیں آنا شروع ہو گئیں کہ یہ کافر ہے۔ یہ کافر ہے! چنانچہ میرے

متعلق امیرالمومنین نے حکم دیا کہ اس کو ٹکٹکی پر باندھا جائے اور خود امیرالمؤمنین قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ابن ابی دؤاد اور اس کے رفقا ارد گرد کھڑے ہیں ٹکٹکی پر مقرر انسان نے مجھے ٹکٹکی کی دونوں طرف کی لکڑیوں کے پکڑنے کا حکم دیا اور امیرالمومنین کے حکم سے جلاد نے مجھ پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے اور امیرالمومنین جلادوں کے کوڑوں کا معائنہ کر کے انہیں تبدیل کرنے اور انہیں زیادہ سخت کوڑے لگانے کا حکم دیتے؛ چنانچہ باری باری ہر ایک جلاد زور کے ساتھ دو کوڑے مارتا اور پیچھے ہٹ جاتا۔ اس دوران امیرالمومنین جلادوں کو سرزنش کرتے ہوئے کہتا۔ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پورے زور کے ساتھ کوڑے کیوں نہیں مار رہا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ کافی دیر کے بعد ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ عوام میرے ارد گرد تماشائی بنے ہوئے ہیں اور امیرالمومنین مجھے کہہ رہے ہیں اے احمد! سخت افسوس کی بات ہے کہ آپ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ میری بات مان لو۔ آپ کو آزاد کر دیا جائے گا۔

امیرالمومنین کی خوشنودی حاصل کرنے والوں میں سے ایک نے کہا، سخت افسوس کی بات ہے کہ امیرالمومنین تیرے سامنے کھڑے ہیں اور تو ان کی بات تسلیم نہیں کرتا۔ اور پھر تعجب تو اس پر ہے کہ تمام لوگ امیرالمومنین کی رائے کا احترام کرتے ہیں لیکن تو انکار کرنے سے باز نہیں آ رہا۔ دوسرے نے کہا تعجب ہے کہ امیرالمومنین بنفس نفیس تیرے سامنے کھڑے ہیں اور تو ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے۔ تیسرے نے کہا اے امیرالمومنین اسے موت کے گھاٹ اتار دیجیے۔ اس کا خون میری گردن پر ہے۔

ہوش آنے پر پھر وہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہر ایک جلاد پورے زور کے ساتھ دو کوڑے مارتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا پھر دوسرا آتا ہے وہ بھی دو کوڑے زور سے لگاتا ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ امیرالمومنین ہر ایک

جلاد کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تیرا ہاتھ ٹوٹ جائے تم پورے زور کے ساتھ کوڑے لگاؤ۔ وہ کوڑے مارتے رہے یہاں تک کہ میں دوبارہ بے ہوش ہو گیا جب کافی عرصہ بعد مجھے ہوش آیا تو امیر المومنین نے کہا اے احمد! اب بھی وقت ہے۔ میری بات تسلیم کر لو۔ عبدالرحمان نے کہا اے احمد! تیرے رفقا یحییٰ وغیرہ بھی امیر المؤمنین کی موافقت کر چکے ہیں اس لیے تم بھی اب زیادہ دیر نہ کرو اور اپنا موقف چھوڑ دو لیکن میں نے کہا کہ میں اپنا موقف چھوڑنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں۔ تیسری بار پھر مجھے کوڑے لگائے گیے۔ یہاں تک کہ میں بیہوش ہو گیا اور اعصاب میں استرخا پیدا ہو گیا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ میری زندگی کا چراغ بجھ گیا ہے تو اسے خوف لاحق ہوا تو اس نے حکم دیا کہ اب اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو لیکن مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔ جب میں ہوش میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک کمرے میں ہوں اور مجھ سے بیڑیاں وغیرہ اتار لی گئی ہیں۔

خیال رہے کہ امیر المومنین کے حکم سے جب مجھے کوڑے مارے جا رہے تھے تو میں اذیت کی شدت سے کئی بار بے ہوش ہوا۔ جب بے ہوش ہو جاتا تو جلاد کوڑے لگانے سے رک جاتے اور جب حواس قائم ہو جاتے تو پھر کوڑے لگنے شروع ہو جاتے۔ میری مخالفت میں جو شخص سب سے زیادہ پیش پیش تھا وہ قاضی القضاۃ ابن ابی دؤاد تھا۔ اگرچہ شروع میں تو وہ میری مجلس میں آتا تھا لیکن جب وہ مجھے قائل نہ کر سکا تو اس نے میری مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور مجھ پر روا رکھے جانے والے ظلم وستم کا سرغنہ دراصل یہی شخص تھا۔ یہ شخص بار بار امیر المومنین کے پاس جاتا اور اسے میرے خلاف اکساتا رہتا۔ لیکن امیر المومنین کا دربان ابن دنقش برابر اس کوشش میں مصروف رہا کہ میں امیر المومنین کی بات تسلیم کر لوں۔ اس سلسلہ میں اس نے عزت واکرام اور تحائف کے ساتھ نوازنے کی ترغیب دے کر بھی قائل کرنا چاہا لیکن میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں جادہ مستقیم سے ہٹ کر ضلالت و گمراہی کے عمیق گڑھے میں گر پڑوں۔ جب وہ ناامید

ہو گیا تو وہ بھی دیگر مخالفین کی طرح مجھ پر سختی کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہو گیا اور امیر المومنین کو میری مخالفت میں اسقدر تیار کر لیا کہ جب مجھ پر کوڑے برسائے جا رہے تھے وہ دھوپ میں کرسی پر بیٹھے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کبھی کبھی مجھ پر مار پیٹ کے منظر سے رنجیدہ ہو جاتا اور ابن ابی دؤاد سے کہتا کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس شخص پر ہمارا تشدد نا جائز ہے۔ لیکن وہ جواب میں کہتا اے امیر المومنین خدا کی قسم یہ تو مشرک اور کافر ہے۔ متعدد بار شرک کے افعال کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ شخص کسی نرمی کا مستحق نہیں ہے۔

اگرچہ امیر المومنین پختہ ارادہ کر چکے تھے کہ امام احمد کو رہا کر دیا جائے لیکن یہ شخص اور اسحاق بن ابراہیم نہایت ہوشیاری کے ساتھ امیر المومنین کے عزم کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

نوفلی کی بیان کردہ روایت کے مطابق بقول قاضی القضاۃ ابن ابی دؤاد امام احمد کی کمر پر تیس کوڑے لگائے گئے۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں اوندھے منہ زمین پر گرے پڑے تھے۔ تو حاضرین میں سے کسی نے ان کے جسم پر بوریا ڈال دیا۔

امام احمد خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں ہوش میں آیا تو مجھے جیل سے رہائی کا آرڈر ملا چنانچہ ہتکڑیاں اور بیڑیاں میرے پاؤں سے اتار لی گئیں۔ اگرچہ ابن ابی دؤاد کا بار بار یہی اصرار تھا کہ یہ شخص سراپا فتنہ ہے اس کو جیل میں بند رکھنا ضروری ہے اگر اسے رہائی حاصل ہو گئی تو یہ شخص امت مسلمہ کو گمراہ کر دے گا لیکن امیر المومنین نے اس کی بات تسلیم نہ کرتے ہوئے رہائی کا حکم دے دیا تو مجھے رہا کر دیا گیا۔

خیال رہے کہ جب مجھ پر کوڑے برسائے جا رہے تھے تو اس وقت ابن سماعہ نے امیر المومنین سے سفارش کی کہ یہ شریف انسان ہے اور غیر مشہور ہے ممکن ہے کہ مستقبل میں کسی وقت آپ کی بات مان جاتے لہٰذا اس پر سختی نہ کی جائے اس کے بعد مجھے بھی اس نے خیر خواہی کے جذبہ سے کہا کہ امیر المومنین تجھ پر شفیق ہیں اس لیے ان کی بات تسلیم کرنے میں ہی بہتری ہے۔ میں نے بلا جھجک

کہا کہ کتاب وسنت سے کوئی وضاحت پیش کرو تو تسلیم کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ نہیں جب میں نے صاف صاف انکار کر دیا تو وہ خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔

رہائی کے بعد انہوں نے پانی میں ستو بھگو کر پینے کو کہا میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تمہارا ممنون ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یاد رکھو دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ ہم سب نے ایک دن اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے وہاں انصاف ہوگا اور پتہ چل جائے گا کہ کون حق پر تھا۔ حاضرین میں سے ابوالعلا راصتم نے امام صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے امام احمد سے زیادہ بہادر کوئی نہیں دیکھا۔

امام حنبل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں جو لوگ شریک تھے ان کا بیان ہے کہ امام احمد کے مخالفین ہر طرف سے ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ وہ تن تنہا میدان مناظرہ میں ہر شخص کے اعتراضات کا مدلل جواب دے رہے ہیں ان کے چہرے پر گھبراہٹ کے قطعاً آثار نظر نہیں آتے وہ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ہر شخص کے اعتراضات کا وافی شافی جواب دے رہے ہیں۔ جب امیرالمؤمنین نے دیکھا کہ امام احمد ان سب سے علم وفضل میں کہیں بلند ہے اور ان کے سامنے انہیں خاموش رہے بغیر کوئی چارہ نہیں تو انہوں نے کہا کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ تم نے امام احمد کے بارے میں سخت غلط بیانی سے کام لیا۔ جب تم نے ان کی علمی حیثیت کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن مشاہدہ اس کی نفی کر رہا ہے۔ ان کی علمی حیثیت بلاشبہ مسلم ہے۔ نتیجۃً امام احمد کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔

امام صاحب تمام دن اسحاق بن ابراہیم کے گھر فروکش رہے۔ غروب شمس کے وقت جب وہ اپنے گھر کی جانب روانہ ہوئے تو مشائخ اور عوام الناس کے علاوہ خود امیرالمومنین بھی الوداع کہنے والوں میں موجود تھے۔ اسحاق بن ابراہیم کی خاص سواری پر انہیں بٹھایا گیا۔ خود امیرالمومنین بھی ان کے ساتھ ساتھ ان کے

گھر تک گئے جب وہ اپنے مکان کے دروازے پر پہنچے تو وہاں بھی لوگ انکے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ امام صاحب کے دل میں لوگوں کی پذیرائی سے کچھ عجب نہ آیا۔ بلکہ وہ پہلے سے زیادہ متواضع ہو کر گلی کی جانب دروازے سے مکان میں داخل ہوئے لیکن سواری پر ان کے بیٹھنے کا انداز پتہ دے رہا تھا کہ ان کے جسم کا ہر عضو متاثر ہے اور وہ سواری پر بھی آرام سے بیٹھنے کی سکت نہیں رکھتے۔ اگرچہ زخم مندمل ہو چکے تھے لیکن جو اعضا شکستہ تھے ان کی وجہ سے وہ صحیح طور پر بیٹھنے سے عاری تھے۔ سواری پر سے اتارنے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم نے انہیں پکڑ کر اتارنا چاہا تو جب ہمارا ہاتھ ان کے جسم کے اس حصہ کو لگتا جہاں کوڑے لگتے رہے تو وہ سخت درد محسوس کرتے اور ان کی چیخ نکل جاتی تو ہم اپنا ہاتھ اٹھا لیتے بالآخر وہ خود ہم پر سہارا کر کے نیچے اترے۔ کمر چونکہ زخمی تھی اس لیے چہرے کے بل لیٹ گئے جسم میں سخت درد کی وجہ سے پہلو بدلنے میں وہ بہت زیادہ تکلیف محسوس فرماتے ان کے حکم سے مکان کا دروازہ بند کر دیا گیا اور شاہی فاخرانہ لباس فروخت کر کے اس کی حاصل کردہ قیمت کا صدقہ کر دیا گیا۔

ان حالات نے امیر المومنین کو سخت آزردہ کر دیا تھا اور انہیں یہ غم ہر وقت ستائے رکھتا تھا کہ کیوں اس نے امام احمد کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اب وہ چاہتا تھا کہ جس قدر ممکن ہو ان کے آرام کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ اسحاق بن ابراہیم کی ذمہ داری تھی کہ وہ لحظہ بلحظہ امام صاحب کے حالات سے اسے مطلع کرتا رہے؛ چنانچہ حسب الحکم وہ امیر المؤمنین کو ان کی صحت وغیرہ کے بارے اطلاعات بہم پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ امام صاحب کے زخم مندمل ہو گئے ان کی صحت لوٹ آئی۔ اور وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے قابل ہو گئے البتہ ان کا ہاتھ اور دونوں انگوٹھے ابھی تک کام نہیں کرتے تھے اور وہ گرفت کی طاقت سے عاری تھے اور زخموں کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ اسی طرح ان کے پہلو میں ایک کوڑا بڑے زور سے لگا تھا جس سے وہاں زخم آ گیا تھا لیکن بحمداللہ

علاج کرانے سے زخم مندمل ہو گیا اور صحت حاصل ہو گئی ابو علی حنبل بیان کرتے ہیں کہ ایک قیدی جس کا نام ابو الہیثم تھا جو امام صاحب پر برسائے جانے والے کوڑوں کا چشم دید منظر دیکھتا رہا اس کا بیان ہے کہ جس قدر امام صاحب پر پوری قوت کے ساتھ کوڑے برسائے جاتے ۔ میں نے کبھی کسی پر اتنی قوت کے ساتھ کوڑے لگتے نہیں دیکھے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ امام صاحب کے جسد عنصری سے روح پرواز کر جائے گی۔ نہایت سفاکی اور بے رحمی کے ساتھ جلاد ان پر ہر طرف سے کوڑوں کی بارش کر رہے تھے (اللہ ان کے ہاتھوں کو ناکارہ کرے) اور جب انہیں زخم ہو جاتا تو ایک آلے کے ساتھ زخم ناپتے کہ زخم کتنا گہرا ہے؟ کہیں اندر تک تو سوراخ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا کہ ایک بار کوڑا ان کے کان پر لگا۔ جس سے کان پھٹ گیا اور زخمی ہو گیا اسی طرح متعدد بار ان کے چہرے پر زخم آئے بسا اوقات وہ کوڑوں کی تاب نہ لا کر جھک جاتے لیکن شقی القلب جلاد برابر کہتے رہتے سیدھے کھڑے رہو۔

زخموں کیلئے مرہم تیار کی گئی

حنبل بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کے زخموں کے لیے مرہم کی تیاری کے سلسلہ میں ایک جراح کے پاس گئے لیکن اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں ابن ابی دؤاد سازش کر کے مرہم میں زہر کی آمیزش نہ کرا دے اس لیے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم خود ہی مرہم تیار کر لیں۔ چنانچہ ہم نے مرہم تیار کی البتہ معالج جراح آتا اور ہماری نگرانی میں مرہم لگاتا اور چلا جاتا اور جسم کا جو حصہ کوڑوں کی شدت ضرب سے بے حس ہو چکا تھا اس کو چھری کے ساتھ کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ البتہ ان کی کمر کا زخم مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ جب کبھی اس سے خون بہنے لگتا تو حجام کی وساطت سے خون نکلا جاتا اس سے انہیں تسکین حاصل ہوتی اور ان کے وضو، غسل کے لیے گرم پانی کا انتظام کیا جاتا وہ خود کہا کرتے تھے کہ مجھے اس آزمائش میں سخت اذیتیں اٹھانی پڑی ہیں اور ارشاد خداوندی (الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان)

کا تقاضا یہ نہیں کہ وعید کو بھی اکراہ کی فہرست میں داخل کیا جائے البتہ مار پیٹ، جیل میں بند کر دیا جانا دیگر جسمانی اذیتیں اکراہ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ جیساکہ صحابہ کرام عمار بلال وغیرہ پر مظالم روا رکھے گئے انہیں بھوکا رکھا گیا چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کیا گیا۔ لیکن انہوں نے ان تمام مصائب کو برداشت کیا اور کلمہ حق کہنے سے نہ ہچکچائے حالانکہ وہ اکراہ کی حالت میں تھے اگر وہ اس حالت میں زبان پر ان کی موافقت کا کوئی کلمہ لے بھی آتے تو ان پر کچھ حرج نہ تھا۔

صحابہ کرام پر مظالم

امام احمد، جریر سے وہ منصور سے وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ اولاً جو لوگ (اسلام لائے ان کی تعداد سات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، ام عمار رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے اور انہیں قوم کے مظالم سے بچانے والے ان کے چچا ابو طالب تھے اور ابوبکرؓ کو ان کی قوم نے پناہ دے دی تھی۔ ان کے علاوہ دیگر پانچ افراد وہ ہیں جن پر مظالم ڈھائے گئے انہیں لوہے کی تاروں سے بنی ہوئی قمیضیں پہنائی گئیں۔ نیز دھوپ میں پتھروں پر گھسیٹا گیا یہاں تک کہ ان کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا حضرت بلالؓ کے علاوہ دوسروں کو ان کی قوم کے لوگ رات کو اٹھا کر لے گئے لیکن بلال کی کمر پر سلگتے ہوئے انگارے رکھے گئے ان کی گردن میں رسی ڈال دی گئی۔ مکہ کے بچوں کے ہاتھ رسی پکڑائی گئی۔ وہ مکہ کے بازاروں میں حضرت بلالؓ کو گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ لیکن حضرت بلالؓ کا صبر ضرب المثل تھا وہ ان تمام تکلیفوں کو برداشت کر رہے تھے اور زبان سے احد احد کے کلمات نکل رہے تھے

حضرت سمیہؓ کے ساتھ بلال سے بھی زیادہ وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا گیا۔

ابوجہل نے اس کو جی بھر کر گالیاں دیں۔ پھر اس کی شرمگاہ میں نیزہ مارا اور اسے قتل کر دیا۔ اسلام میں اولاً شہادت اسی عورت کے حصہ میں آئی۔

امام احمد با سند شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت خباب کے علاوہ دوسروں نے کفار کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن حضرت خباب ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت خباب کو گرم پتھروں پر جکڑ کر لٹا بھی دیا گیا۔ پھر بھی وہ قائم رہے۔

امام احمد سند کے ساتھ محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے حضرت عمار کو گرفتار کر لیا اور اس کو مجبور کیا کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک کرے؛ چنانچہ انہوں نے ان کی بات تسلیم کر لی وہ اس حالت میں رو رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ کپڑے کے ساتھ اس کے چہرے سے آنسو صاف کر رہے تھے اور فرماتے تھے کہ مشرکین نے تجھے پکڑ کر پانی میں ڈبونا چاہا اگر تو شرک نہیں کرے گا تو ان کے اذیت ناک سلوک سے تو نے ان کی بات تسلیم کر لی کوئی حرج نہیں۔ اگر پھر بھی تیرے ساتھ اس قسم کا واقعہ پیش آ جائے تو تیرے لیے جائز ہے کہ اسی طرح ان کی بات مان کر ان سے نجات حاصل کرے؛ چنانچہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کا یہی معنی ہے کہ دل میں ایمان کی حلاوت موجود ہو اگرچہ زبان پر کفر کے کلمات جاری بھی ہو جائیں۔

حنبل راوی ہیں کہ امام احمد مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا جو شکل و صورت کے لحاظ سے جاہ و جلال والا تھا وہ امام صاحب کی مجلس میں بیٹھا رہا وہ اس انتظار میں تھا کہ کب تنہائی حاصل ہوتی ہے جب حاضرین اٹھ کر چلے گئے تو وہ امام صاحب کے زیادہ قریب ہوا۔ امام صاحب اس کی ظاہری وجاہت کے پیش نظر اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیتے ہیں۔ وہ شخص امام صاحب سے درخواست پیش کرتا ہے کہ مجھے معاف کیا جائے آپ نے دریافت کیا۔ آپ کس بنا پر معافی طلب کر رہے ہیں۔ اس نے کہا جس دن آپ پر کوڑے برسائے جا رہے تھے تو میں بھی اس روز مجلس میں موجود تھا۔ اگرچہ نہ میں نے آپ کے مخالفین کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کیا اور نہ ہی کوئی بات کی امام صاحب اس کی بات سن کر لمحہ بھر سر نیچا کر لیتے ہیں پھر سر اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ سے معافی مانگتے اور توبہ

کر لیجئے اور دوبارہ اس قسم کی مجلس میں شریک ہونے سے احتراز کیجئے اس کی زبان پر فوراً توبہ کے کلمات جاری ہو گئے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ تیرا گناہ معاف ہو گیا میں نے بھی تجھے معاف کر دیا اور مبتدع انسان کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کو میں معاف کرتا ہوں جو معافی کے طلبگار ہوں گے اسی طرح امیرالمومنین کو بھی میں معاف کرتا ہوں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔ (النور ۲۲)

(چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کر دے)

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق سے کہا تھا کہ تم مسطح کو معاف کرو مسطح کا واقعہ کتب حدیث میں مشہور ہے یہ شخص حضرت ابوبکرؓ صدیق کا قریبی رشتہ دار تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کی ضروریات کا خیال رکھتے اور اس پر صدقہ فرماتے۔ جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی تو یہ بھی تہمت لگانے والوں میں شریک تھا تو جہاں دوسروں پر حد قذف لگائی گئی وہاں اس پر بھی حد قذف لگائی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے اس رویہ کے پیش نظر قسم اٹھائی کہ اب میں ہرگز مسطح کے ساتھ مالی تعاون نہیں کروں گا تو ذیل کی آیت نازل ہو گئی (ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربی) تم میں فضل والے اور فراخی والے قسمیں نہ اٹھائیں کہ وہ قرابت داروں کو کچھ نہیں دیں گے۔)

اس کے بعد حضرت ابوبکر حسب سابق اس کے ساتھ مالی تعاون فرماتے رہے[1] پس میں بھی معاف کرتا ہوں اور افضل بھی یہی ہے اور اس سے آپ کو کیا فائدہ ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کے بھائی کو مشکلات کا سامنا ہو اور جب آپ اپنے بھائی کو معاف کر دیں گے تو اللہ آپ کو معاف کر دے گا۔ ارشاد ربانی ہے فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ (پس جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو

---

[1] الاصابہ ص ۳۹۳، اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۵۴، نسب قریش ص ۹۵

اس کا ثواب اللہ پر ہے)

امام احمد سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے بیان کیا۔ قیامت کے دن جب تمام لوگ گھٹنوں کے بل اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ جس شخص کے اعمال کا اجر اللہ پر ہے وہ کھڑا ہو جائے؛ چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں اپنے کسی بھائی کو معاف کیا ہو گا۔ صرف وہی لوگ کھڑے ہوں گے۔

امام حنبل سند کے ساتھ ابو کبشہ انماری سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ لہٰذا صدقہ کیا کرو اور جو شخص کسی کی غلطی معاف کر دیتا ہے تو اللہ معاف کرنے والے کو مزید اعزاز سے نوازتا ہے۔ لہٰذا معاف کیا کرو۔ اللہ تمہیں اعزاز سے نوازے گا اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے۔ یعنی گداگری کا پیشہ اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے فقیری کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

امام حنبل سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ذیل کی آیت خذ العفو وأمر بالعفو وأعرض عن الجاھلین (عفو اختیار کرو اور اس کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو) کو حضرت جبریل لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے حضرت جبریل سے سوال کیا یہ کیا ہے؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کچھ دیر کے بعد وہ آیا اور کہا اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ جو شخص تجھ سے قطع رحمی کرے اس سے تو صلہ رحمی کر اور جو تجھے محروم لوٹائے تو اس کو عطیہ دے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے[۱]۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ امام احمد سے ان کے بیٹے صالح نے کہا کہ فضل انماطی نے اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم سے امیر المؤمنین معتصم کو معاف کر دیا ہے تو اس پر امام صاحب نے یہ آیت پڑھی (ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم) چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔

اس کے بعد فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ جنت میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے بھائیوں کو معاف کیا ہے؛ چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں اپنے بھائیوں کو معاف کیا ہوگا وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور یہ کچھ مشکل بات نہیں ہے کہ ایک مومن بھائی اپنے دوسرے بھائی کو معاف کر دے اور اس کو اذیت نہ پہنچائے پھر فرمانے لگے اگرچہ معتصم نے مجھے جیل میں بند رکھا میرے پاؤں میں بیڑیاں پہنائیں اور مجھے زدوکوب کرتا رہا تاہم میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ شائد میرے معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بھی اس کو معاف کر دے۔ امام حنبل سند کے ساتھ عون بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت (عفا اللہ عنك لم اذنت لهم) اللہ نے تجھے معاف کر دیا کہ کیوں تو نے ان کو اجازت عطا کی) اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ڈانٹ پلانے سے پہلے آپ کو معافی کی خبر دی گئی۔

امام حنبل سند کے ساتھ ابن عمر سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اوامر میں سمع و اطاعت کرے خواہ وہ اسے پسند ہوں یا وہ انہیں ناپسند جانتا ہو۔ البتہ جب اس کو اللہ کی نافرمانی کرنے کا حکم دیا جائے تو پھر اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ نافرمانی کے کاموں میں کسی کی اطاعت کرے[1]

امام حنبل سند کے ساتھ حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

عفان، بشر الولید، قواریری وغیرہ کا ذکر

امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں موجود تھا۔ جس میں امام احمد امام یحییٰ بن معین اور عفان تھے۔ خیال رہے کہ معتصم نے ولاً جس شخص کو خلق قرآن کے مسئلہ میں الجھایا وہ عفان ہے۔ ابھی ابھی وہ معتصم کے ہاں سے آئے تھے تو

---

[1] مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ

یحییٰ بن معین نے اس سے پوچھا بتاؤ معتصم کی آپ سے کیا گفتگو ہوئی ہے اور آپ نے اسے کیا جواب دیا ہے۔ عفان نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے ذکریا میں نے آپ اور آپ کے رفقاء کی عزت کا تحفظ کیا ہے میں اپنے موقف سے ذرا پیچھے نہیں ہٹا اور ان کی بات کو تسلیم نہیں کیا اس نے کہا تمام واقعہ سنائیں۔ عفان نے واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اسحاق بن ابراہیم نے مدعو کیا۔ میں انکے بلاوے پر وہاں گیا اس نے (میرے بارے میں مامون کا خط) مجھے پڑھ کر سنایا جو اس نے رقہ سے بھیجا تھا اس میں تحریر تھا کہ عفان کو خلق قرآن کے مسئلہ میں اپنا ہمنوا بناؤ۔ اگر وہ انکار کرے تو میری طرف سے ماہانہ پانچسو درہم وظیفہ جو اسے ملتا ہے وہ بند کر دو۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ میں آپ کی تائید نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک میں ہے "قل هو الله احد الله الصمد الایۃ" بتاؤ کیا یہ مخلوق ہے؟ اسحاق بن ابراہیم نے جواب دیا اے شیخ' امیر المؤمنین کا پیغام ہے کہ اگر تو نے ان کے موقف کو نہ اپنایا تو تیرا روزینہ روک لیا جائے گا اور جب امیر المومنین وظیفہ بند کر دیں گے تو ہم بھی بند کر دیں گے۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہا ارشاد خداوندی ہے "وفي السماء رزقكم وما توعدون" تمہارا رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آسمان میں ہے۔ (میرے جواب پر وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد میں واپس چلا آیا۔

اس واقعہ پر امام احمد، یحییٰ بن معین اور تمام حاضرین نے مسرت کا اظہار کیا امام حنبل روایت کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔

عفان اور ابو نعیم کے بارے میں عوام چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور انہیں ایذا پہنچانے کے درپے ہیں لیکن وہ اپنے موقف پر قائم ہیں اور جس قدر یہ دونوں بزرگ استقامت دکھا رہے ہیں اور اللہ کے راہ میں مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ ان کی مثال نہیں۔

امام حنبل روایت کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کلام کے صفت کے ساتھ متصف ہیں اور قرآن پاک اللہ کا کلام ہے۔

اور غیر مخلوق ہے اور ہم اس سے زیادہ اللہ کا وصف بیان نہیں کر سکتے۔ جس قدر خود اس نے اپنا وصف بیان فرمایا ہے۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ جب امام احمد کی صحت ذرا بہتر ہو گئی اور ان کے زخم مندمل ہو گئے تو بشر بن ولید مغرب کی نماز کے بعد امام احمد کی ملاقات کے لیے اکثر آیا کرتے تھے وہ دونوں مسجد کی چھت پر بیٹھ جاتے اور آپس میں باتیں کرتے لیکن جب وہ بیمار ہو گئے تو ان کا آنا جانا رک گیا۔ بشر بن ولید وہ انسان ہیں کہ انہیں اور ابراہیم بن مہدی کو خلق قرآن کے مسئلہ میں جب فتنہ کی آگ میں جھونکا گیا تو وہ ثابت قدم رہے۔ مامون عباسی کو جب ان کی مخالفت سے آگاہ کیا تو اس نے ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ نیز کہا کہ اگر وہ گرفتاری کے باوجود اپنا موقف نہ چھوڑیں تو تلوار کے سامنے ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ مامون کا یہ حکم سن کر وہ گھبرا گئے اور بظاہر اپنے بچاؤ کے لیے اضطراری کیفیت میں انہوں نے زبان سے اقرار کر لیا۔ چنانچہ امام احمد ان کو معذور سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس قسم کے حالات میں تقیہ اختیار کرنا صحیح ہے۔ امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ اس کتاب میں امام احمد یا اپنے والد صاحب سے جو کچھ میں نے سنا یا جن واقعات کا مشاہدہ کیا ان کا ذکر کر دیا ہے۔ جو الفاظ انہوں نے ذکر فرمائے اگرچہ میں بعینہ وہی الفاظ ذکر کرنے سے تو قاصر رہا۔ البتہ معنویت کے لحاظ سے کچھ تفاوت نہیں اسی طرح واقعات کے بیان میں تقدیم تاخیر بھی موجود ہے

عباس عنبری اور علی بن مدینی کا ذکر

امام احمد پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں جب وہ عباس عنبری کا ذکر فرماتے تو مسئلہ خلق قرآن میں ان پر روا رکھے گئے۔ مظالم اور قید و بند کی صعوبتوں پر انہیں معذور سمجھتے لیکن علی بن مدینی کا تذکرہ فرماتے تو غم و غصہ کا اظہار کرتے اس لیے کہ وہ صحیح مسلک سے ذرا سرک گئے تھے۔ نیز فرمایا کرتے تھے کہ مخالفین اس بات کے باوجود کہ ان کے پاس یحییٰ بن معین کی حدیث کی کتاب تھی جس سے انہیں اصل

حقائق سے واقفیت تھی اس کے باوجود وہ مخالفت سے باز نہ رہے اس پر وہ اپنے غم کا اظہار فرماتے۔

ہارون واثق بن معتصم کے عہد میں امام احمد کے حالات

امام حنبل روایت کرتے ہیں کہ جب معتصم نے انہیں رہا کر دیا ابتلاء کا دور ختم ہو گیا جسمانی صحت عود کر آئی تو وہ نماز جمعہ اور دیگر پانچ نمازوں کی ادائیگی کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔ وہاں درس حدیث فرماتے مسائل کا محققانہ جواب دیتے اور جب معتصم فوت ہو گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا ہارون جو واثق کے لقب کے ساتھ متعارف تھا خلیفہ بنا تو چونکہ اس کا میلان ابن ابی دؤاد کی جانب تھا اس لئے پھر امام احمد پر ابتلاء کا دور شروع ہو گیا بغداد کے علماء وفقہاء اور قضاۃ کے علاوہ ان کے ہم خیال لوگوں پر سختیاں کی گئیں؛ چنانچہ فضل انماطی اس کی بیوی ابو صالح اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق ڈال دی گئی تو اگرچہ امام احمد کبھی بھی ان حالات پر ملاحظہ کرنے کے بعد خاموشی اختیار نہیں کر سکتے تھے لیکن اس خیال سے کہ شاید یہ لوگ حقائق تسلیم کریں گے۔ جب کہ وہ دیانتداری کے ساتھ غور وفکر کریں گے وہ جمعہ اور دوسری نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے لیکن گھر واپس آ کر نمازیں لوٹاتے اور کہا کرتے تھے کہ نمازیں لوٹائی جائیں اس لیے کہ جو لوگ قرآن پاک کو مخلوق مانتے ہیں ان کی اقتدا میں نماز ادا نہیں ہوتی۔ واثق کی وفات کے بعد متوکل کے عہد خلافت میں نمازیں مسجد میں ادا کرتے اور ان کا اعادہ نہ فرماتے

قرآن کو مخلوق ماننے والے کی اقتدا میں نمازیں لوٹائی جائیں

امام حنبل راوی ہیں انہوں نے امام احمد سے روایت کیا کہ ان سے یعقوب بن الدورقی[1] نے فتویٰ پوچھا کہ جو شخص قرآن پاک

---

[1] یعقوب بن الدورقی بغدادی حافظ ثقہ حجت ہیں ۲۵۲ھ میں امام صاحب سے سماع ثابت ہے، شذرات الذھب ص۱۲۷/۲، طبقات الحنابلہ ص۱۴۱/۱ - ۴۱۵۔ المنہج الاحمد ص۱۱/۱۔ الخلاصہ ص۴۳۶۔

کو مخلوق مانتا ہے کیا اس کی اقتدار میں نماز جائز ہے؟ امام صاحب نے فرمایا اس کے پیچھے نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے جب کہ وہ نہ صرف عام طور پر بلکہ خصوصیت کے ساتھ نماز کے وقت قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا نعرہ لگاتا ہے تو اگر مصالح کے پیش نظر ایسے انسان کی اقتدار میں نماز ادا کر لی جائے تو اس کا اعادہ کیا جائے؛ چنانچہ میں بھی جمعہ اور دوسری نمازیں ان کی اقتدار میں ادا کرتا ہوں پھر ان کا اعادہ کرتا ہوں

اسی طرح جب ان سے دریافت کیا گیا کہ عیسیٰ بن جعفر کی اولاد سے ایک انسان اسی نظریہ کا حامل نمازیں پڑھاتا ہے تو کیا نمازوں کا اعادہ کیا جائے انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ واثق کے دور میں تو امام صاحب اور ان کے رفقا نمازوں کا اعادہ فرماتے رہے اس لیے کہ نمازوں کے امام عموماً خلق قرآن کے قائل تھے البتہ ان کے بعد متوکل کے عہد میں نمازوں کا اعادہ نہ فرمایا اس لیے کہ وہ اس نظریہ کے حامل نہ تھے۔

یعقوب بن الدورقی بیان کرتے ہیں کہ متعدد بار مجھے ان کی معیت میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جانا ہوا۔ میں ان کے ساتھ ہوتا وہ نامعلوم راستہ اختیار فرماتے ان کی کوشش ہوتی کہ وہ پہچانے نہ جاسکیں؛ چنانچہ مسجد میں داخل ہوتے نماز ادا کرتے اور خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ آتے۔

خلق قرآن کا مسئلہ واثق کے عہد میں

واثق کے عہد میں جب خلق قرآن کے مسئلہ کو ہوا دی گئی اور مخالفین کو نہ صرف یہ کہ مرعوب کیا گیا بلکہ ان پر زیادتیاں کی گئیں اور انہیں جیل خانہ میں بند کر دیا گیا تو ان حالات کے پیش نظر بکر بن عبداللہ، ابراہیم بن علی مطبخی فضل بن عاصم وغیرہ بغداد کے قابل ذکر فقہاء امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سلسلہ میں واثق کے پاس جائیں بلکہ ان سے اجازت لے کر ہمیں بھی آپ اپنے ساتھ لے جائیں اس لیے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ابن ابی دؤاد نے قرآن پاک کی تعلیم دینے والے اساتذہ کو پابند کیا ہے۔ کہ وہ قرآن پاک

کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو یہ بھی بتایئں کہ قرآن پاک مخلوق ہے تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ صورت حال ناقابل برداشت ہے۔ ہم برابر یہ خطرہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر ہم خاموش رہے اور ہم نے حق بات کا اظہار نہ کیا تو تحریف دین کا ایک دروازہ کھل جائے گا۔ جس کا بند کرنا بہت مشکل ہو گا۔ امام احمد نے ان سے استفسار کیا کہ تمہارے پاس اس کا کیا حل ہے؟ اور تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو انہوں نے جواباً کہا ہم آپ کے پاس صرف اس غرض سے آئے ہیں تاکہ آپ سے مشورہ حاصل کریں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے امام احمد نے پوچھا آخر تمہاری بھی تو کوئی رائے ہو گی۔ انہوں نے کہا ہم کھلے لفظوں میں اعلان کرتے ہیں کہ ہم ایسے انسان کی حکومت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو قرآن پاک کے مخلوق ہونے کا قائل ہے۔ امام احمد نے ان کے جذبات کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا مجھے آپ کے ساتھ مکمل اتفاق ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ فی الحال ہمارے پاس ایسے وسائل نہیں ہیں کہ ہم علی الاعلان بغاوت کا اعلان کر دیں البتہ ان حالات میں ہمارے لیے صرف اس قدر ممکن ہے کہ ہم دل سے حکومت کو برا جانیں اور بظاہر اطاعت سے روگردانی نہ کریں۔ مجھے بتایئں کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم کوئی ایسا حربہ استعمال کریں جس سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے۔ اتفاق ختم ہو کر رہ جائے اور آپس میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو یاد رکھو مسلمانوں کے خون حرام ہیں۔ لہٰذا کوئی قدم ایسا نہ اٹھاؤ جس سے ان کے خونوں کے ساتھ ہولی کھیلی جائے۔ خدارا اس کے انجام پر ذرا غور کرو۔ عجلت بازی سے کام نہ لو۔ جلد ہی حقیقت تمہارے سامنے آشکارا ہو جائے گی۔ صبر کرو وہ وقت کچھ زیادہ دور نہیں جب اس فاسق فاجر کے ظلم و ستم سے تمہیں نجات حاصل ہو گی اور تم آرام کی زندگی بسر کرو گے۔ اگرچہ امام احمد کے پاکیزہ خیالات کے ساتھ انہوں نے اتفاق کا اظہار کیا تاہم وہ اس وہم میں ضرور مبتلا تھے کہ اگر ہم خاموشی اختیار کریں گے تو ہماری اولاد پر اس کے غلط اثرات پڑیں گے۔ غیر اسلامی نظریات کے پرچار سے بہر حال خطرہ تو ضرور ہے کہ کہیں

اسلام کی اصل صورت مسخ ہو کر نہ رہ جائے امام صاحب گرجدار آواز میں بولے ہرگز نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد فرمائے گا اور ہمیشہ اسلام کا بول بالا رہے گا اور اسے غلبہ حاصل رہے گا۔

امام صاحب کے جواب سے وہ خاموش تو ہو گئے اور وہاں سے چل دیئے لیکن اپنے موقف سے نہ ہٹے۔ امام صاحب نے بھی تو انہیں زیادہ مجبور نہیں کیا تھا۔ صرف اس قدر کہا کہ تمہیں خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اس کی مخالفت سے باز رہنا چاہیے۔ ممکن ہے کچھ عرصہ بعد حالات سازگار ہو جائیں اور بے چینی کی کیفیت دور ہو جائے۔

روانہ ہوتے وقت انہوں نے مجھے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ہم اپنے مخالف فلاں انسان کے گھر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس پر دباؤ ڈالنے کا خیال ہے۔ شاید وہ ہماری مخالفت سے باز آجائے۔ ان کی رفاقت میں چلنے سے قبل میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے مجھے اجازت نہ دی اور کہا کہ اگر تو ان کے ساتھ شریک ہو گیا تو تیری شرکت سے امام احمد پر غلط اثرات مرتب ہونے کا خطرہ ہے؛ چنانچہ میں نے کوئی بہانہ کر لیا اور ساتھ جانے سے معذرت کر دی جب وہ چلے گئے تو میں اپنے والد کے ساتھ امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میرے والد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے ابو یوسف! ان کے جذبات اس وقت مشتعل ضرور ہیں لیکن مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ استقامت اختیار نہیں کر سکیں گے ہم ان کی سلامتی اور ثابت قدمی کے دل و جان سے خواہاں ہیں لیکن ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ اس وقت ہمیں خاموش رہنا چاہیے اور مخالفت ترک کر دینی چاہیے۔

میں نے مؤدب ہو کر امام احمد سے پوچھا کیا آپ اس کو صحیح سمجھتے ہیں؟ انہوں نے بلا تامل فرمایا بالکل نہیں۔ ہمارے سامنے اسلاف کے واقعات روز روشن کی طرح واضح ہیں کہ انہوں نے ان حالات میں مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن صبر کا دامن

ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اگر حاکم وقت تجھے کوڑے لگاتا ہے یا کلیدی آسامی سے محروم رکھتا ہے یا کسی علاقے کا گورنر بنا دیتا ہے تو ان تمام صورتوں میں تجھے صبر کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن مسعود سے ایک موقوف روایت اسی مضمون کی مروی ہے۔

ابو علی حنبل بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے بارے میں امام احمد نے جو رائے پیش کی تھی وہ حرف بحرف پوری نکلی۔ چنانچہ انکا شیرازہ بکھر گیا وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ کچھ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوتے اور روپوش ہو گئے اور بعض کو گرفتار کر لیا گیا وہ تا زندگی جیل میں ہی رہے۔ الغرض بقول امام صاحب وہ کوئی قابل تعریف کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔

واثق کے عہد سلطنت میں دارو گیر کا سلسلہ وسیع ہو گیا، سختیاں انتہا کو پہنچ گئیں۔ عوام ان حالات سے سخت پریشان تھے۔ اسی دوران یعقوب بن بحر بغداد کے گورنر اسحاق بن ابراہیم کا پیغام لے کر امام احمد کی خدمت میں پہنچے۔

اے امام احمد! امیر المومنین اکثر آپ کا ذکر فرماتے رہتے ہیں۔ وہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص آپ سے ملاقات کرے۔ نیز آپ کو ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہیے جس میں امیر المومنین سکونت پذیر ہیں۔ اللہ کی زمین بڑی فراخ ہے جہاں چاہو منتقل ہو جاؤ۔ امیر المؤمنین کا حکمنامہ سن کر امام احمد چونک اٹھے اور مناسب یہی سمجھا کہ واثق کے عہد سلطنت کے ایام کہیں چھپ کر بسر ہو جائیں اس لیے کہ فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ جس سے بچنا مشکل تھا۔ امام احمد اپنا گھر چھوڑ کر ابو محمد[۱] فوران کے گھر منتقل ہو گئے تقریباً ایک سال وہاں رہے جب حالات نارمل ہوئے اور شدت میں کچھ کمی آئی تو تقریباً ایک سال بعد واپس گھر لوٹے۔ تاہم واثق کی وفات تک گھر میں نظر بند رہے۔ نماز تک کیلئے گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اسی فتنہ میں احمد بن نصر بن مالک خزاعی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

---

[۱] عبداللہ بن محمد بن مہاجر ابو محمد جو فوران لقب کے ساتھ متعارف تھے۔ نصف رجب ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے امام احمد کے ان رفقاء سے تھے جن سے وہ موانست رکھتے اور تخلیہ میں ملاقات فرماتے المنہج الاحمد ص ۱۳۱ ج ۱ ۲۲۱ھ میں فوت ہوئے۔ مناقب الامام احمد ص ۳۹۸، ۵۰۷، البدایہ والنہایہ ص ۳۰۷ ج ۱۔ طبقات الحنابلہ ص ۸۰ ج ۱، ۸۲۔ الخلاصہ ص ۱۲۳۔ تہذیب التہذیب ص ۱ ج ۶۔ المنہج الاحمد ص ۹۱ ج ۱۔

متوکل کے عہد خلافت میں امام احمد کے حالات

ابو علی حنبل بیان کرتے ہیں۔ واثق کی وفات کے بعد جعفر متوکل نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ان کا دور خلافت واثق کے دور سے بالکل مختلف تھا۔ فتنہ خلق قرآن کا غلغلہ خاموش ہو چکا تھا۔ معتزلہ کنارہ کش نظر آ رہے تھے۔ کتاب و سنت کی طرف دعوت دینے والے اپنے مشن کی تکمیل میں سر برآوردہ تھے۔ خوف و دہشت کی کیفیت ختم ہو چکی تھی امام احمد نے درس حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ وہ حدیث کی ضرورت اور افادیت سے لوگوں کو آگاہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کھلے لفظوں میں اعلان کیا کہ کسی دور میں علم حدیث کی اشاعت کی اتنی ضرورت نہ تھی جس قدر آج کے دور میں ہے۔

متوکل نے اپنے گورنر اسحاق بن ابراہیم کی طرف خط لکھا کہ امام احمد کو نہایت احترام کے ساتھ قصر خلافت میں لایا جائے چنانچہ خلیفہ کی دعوت پر امام احمد عصر کے وقت وہاں پہنچے۔ ہم بھی ان کے ساتھ تھے لیکن ہم دروازے پر رک گئے اور امام صاحب گورنر کے خصوصی محل میں ان کے ساتھ مصروف گفتگو رہے۔ جب باہر نکلے تو میرے والد نے پوچھا کس مقصد کے لیے آپ کو یہاں آنے کی تکلیف دی گئی؟ امام صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے مجھے خلیفہ کی جانب سے ایک تحریر پڑھ کر سنائی۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ مجھے اسلامی لشکر کے ساتھ سرحدوں پہ جانا چاہیے نیز انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ قرآن پاک کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ میں نے جواب دیا امیر المومنین اس مسئلہ کے اٹھانے سے منع کرتے ہیں۔ اس نے کہا آپ نہیں جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میرے اور امیر المومنین کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے میں نے پوچھا تو کیا اس مسئلہ میں واضح رائے پیش کرنے کی اجازت ہے یا اس میں

شدت اختیار کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اس نے جواب دیا امیر المومنین نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اگرچہ اس مسئلہ کی حقیقت سے پردہ کشائی کرنے پر قطعاً پابندی نہیں ہے۔

میں نے اپنا نظریہ واشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور کسی لحاظ سے بھی اس کو مخلوق کہنا جائز نہیں۔

اسحاق بن ابراہیم کو خلیفہ کی جانب سے پیغام پہنچا کہ آپ لشکر کی کمان کریں اور اپنے لڑکے محمد کو اپنا قائم مقام بنائیں اگرچہ امام احمد کو بھی حکم مل چکا تھا کہ وہ اسلامی لشکر میں شریک ہوں لیکن ان کے ہاں مالی اسباب میسر نہ تھے۔ میرے والد نے مجھے بتایا کہ آپ کے چچا احمد بن حنبل اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں۔ آپ ان کی مدد کریں میں ان دنوں بازار میں کاروبار کرتا تھا۔ میں نے کچھ رقم پس انداز کر رکھی تھی تو میں نے ایک سو درہم ان کی خدمت میں پیش کئے۔ امام احمد نے ان سے اپنی ضرورتیں پوری کیں اور کچھ رقم کرایہ کے لیے مختص کر دی۔ جب وہ بغداد سے روانہ ہوئے تو اسحاق بن ابراہیم کے لڑکے محمد سے نہ ملے اور نہ اس کی طرف سلام بھیجا جو ان دنوں بغداد کے قائم مقام گورنر تھے۔

محمد نے اپنے باپ کی جانب خط لکھا اور اس میں امام احمد کے بارے میں شکایت لکھ بھیجی کہ وہ بلا اجازت اور بلا سلام کلام یہاں سے چل دیئے ہیں۔ اسحاق بن ابراہیم اس سے بہت تلملائے اور ان کے دل میں امام احمد کے بارے میں نفرت کے جذبات گردش کرنے لگے؛ چنانچہ فوراً اس نے امام احمد کے خلاف متوکل کی جانب شکایت لکھ بھیجی کہ یہ شخص باغیانہ ذہن رکھتا ہے۔ بغداد سے روانگی کے وقت اس نے آپ کے گورنر سے ملنا گوارا نہیں کیا ہے۔ متوکل نے حکم دیا بلا تاخیر ان کو واپس لایا جائے اس دوران امام صاحب بغداد سے روانہ ہو کر بصری[1] پہنچ چکے تھے متوکل کی جانب سے وہاں جب ان کے پاس قاصد پہنچا جس نے انہیں واپس لوٹنے کا

---

[1] بصری۔ بغداد کی اضافی بستی ہے۔ (معجم البلدان)

حکم دیا تو امام صاحب فوراً واپس لوٹ آئے لیکن اس بات سے انہوں نے صرف اپنے لڑکوں اور دیگر ہمارے جیسے عزیزوں کو مطلع کیا۔

امام کے خلاف غلط الزام

ابو علی حنبل بیان کرتے ہیں۔ رافع نے امام احمد کے خلاف متوکل کے پاس شکایت کی کہ انہوں نے اپنے گھر میں ایک علوی کو ٹھہرایا ہوا ہے اور وہ خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے پر تلا ہوا ہے اور علوی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے۔ رافع کے پاس اس بات کی جاسوسی کرنے والا بغداد کا باشندہ تھا اس لیے کہ رافع دیہاتی آبادی میں رہتا تھا لیکن ہمیں اس سازش کا قطعاً علم نہ تھا ہمیں بعد میں معلوم ہوا؛ چنانچہ ہم چھت پر سوئے ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہم نے کچھ شور سنا اور امام صاحب کے گھر میں خلاف معمول روشنی نظر آئی۔ میرے والد نے مجھ سے پوچھا آپ کے چچا احمد کے گھر میں آج خلاف معمول کچھ زیادہ ہی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ میں نے ذرا جھانک کر دیکھنے کے بعد کہا مجھے تو کچھ علم نہیں۔ ہم تیزی کے ساتھ نیچے اترے تو بازار میں ہمیں قاصد ملا جو ہماری طرف آرہا تھا۔ ہم امام صاحب کے گھر پہنچے اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا بات ہے؟ امام صاحب نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ مجھے کچھ علم نہیں میں تو نیند میں تھا۔ اچانک دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں نے پوچھا کون۔ اس نے جواب دیا میں۔ میں نے پوچھا کون؟ اس نے پھر وہی جواب دیا میں اور کہا دروازہ کھولو۔ میں نیچے اترا۔ دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں وہ تمام بلا توقف اندر گھس آئے۔ امیر المومنین کی جانب سے بھیجے گئے قاصد ابن الکلبی نے اس کا خط مجھے پڑھ کر سنایا اور مجھ پر الزام لگایا گیا کہ آپ کے ہاں ایک علوی انسان اقامت اختیار کئے ہوئے ہے۔ آپ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور امیر المومنین کے خلاف بغاوت کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ یاد رکھو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ جب وہ امیر المومنین کا پیغام پہنچا چکا تو اس کا رفیق مظفر امام احمد سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ آپ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ امام احمد

اپنی نشست پر بڑے سکون کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حیران تھے کہ یہ کس قسم کی باتیں کررہے ہیں۔ ان کے استفسار پر امام احمد فرمانے لگے جو کچھ تم نے بیان کیا ہے۔ مجھے قطعاً اس کا علم نہیں ہے۔ میں تو ہر حالت میں خواہ مجھے تکلیف پہنچے یا میں راحت کی زندگی بسر کروں۔ امیر المومنین کی اطاعت سے بے تابی کرنے کو جائز نہیں سمجھتا نہ ہی مسرتوں، کلفتوں میں اس سے دست کش ہونے کے لیے تیار ہوں۔ خواہ مجھے میرے مرتبہ سے نیچے کیوں نہ گرا دیا جائے اور میں تو رات دن اللہ سے استقامت کی توفیق طلب کرتا رہتا ہوں۔ ان باتوں کا مظفر پر خاص اثر ہوا۔ اس نے ابن الکلبی سے کہا آپ ان تمام باتوں کو تحریر کرکے امیر المومنین کی خدمت میں پیش کریں۔ لیکن ابن الکلبی اس کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ مظفر نے کہا اگر آپ تحریر کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ تو میں ان باتوں کو تحریر کروں گا اور اسحاق بن ابراہیم کی خدمت میں پیش کروں گا۔

امام احمد فرماتے ہیں اگرچہ میں نے کھلے لفظوں میں امیر المومنین کی اطاعت کا اقرار کیا۔ لیکن اس سے ان کا تذبذب ختم نہ ہوا۔ انہوں نے میرے گھر کے تمام کمروں کی تلاشی لی۔ مکانوں کی چھتوں پر گئے، کتب خانہ کھلوایا، وہاں الماریوں سے کتابیں نکال کر بغور دیکھا۔ کہیں سے کچھ خبر مل جائے۔ تفتیش کے لیے وہ عورتیں بھی ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے تمام کمروں کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن کچھ دستیاب نہ ہو سکا۔ زمین میں سوراخ کرنے والے آلات کے ساتھ انہوں نے مشکوک مقامات پر سوراخ کیا شاید وہ کامیاب ہو سکیں لیکن ان کی تمام تر تدبیریں اکارت گئیں۔ قرآن پاک میں ناکام ہونے والوں کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔

وردّ اللہ الذین کفروا بغیظہم لم ینالوا خیرا " اللہ نے کافروں کو غصہ کی حالت میں لوٹایا وہ کسی بھلائی کو نہ پہنچ سکے۔

جب انہیں یقین ہو گیا کہ امام صاحب اس الزام سے بالکل بری ہیں جو ان پر لگایا گیا تھا تو انہوں نے امیر المومنین کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور ان کو مطمئن کیا ان کے اطمینان دلانے سے امیر المومنین نے محسوس کیا کہ امام احمد کے خلاف یہ شکایت

جھوٹ کا پلندا تھی۔

بعد میں پتہ چلا کہ شکایت کنندہ انسان اہل بدعت کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس کا نام ابن الثلجی ہے اس کی زندگی میں ہی اس کا کذاب ہونا تمام مسلمانوں پر عیاں ہو گیا۔

اطاعت امیر کے بارے میں چند احادیث

امام حنبل سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال السمع والطاعۃ فی یسرک وعسرک ومنشطک ومکرھک واثرۃ علیک۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آسانی، تنگی، خوشی، ناخوشی، تجھ پر کسی دوسرے کو ترجیح دینے (وغیرہ تمام حالتوں میں) امیر کی سمع و اطاعت ضروری ہے۔
بخاری، مسلم، مالک، نسائی،	

امام حنبل سند کے ساتھ ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون امراء تعرفون وتنکرون فمن انکر فقد برئ۔ ومن کرہ فقد سلم ولکن من رضی	ایسے امرا ہوں گے جن کے کاموں کو تم میں سے کچھ لوگ اچھا جانیں گے اور کچھ انکار کریں گے پس جو انکار کریں گے وہ بری ہیں اور جو ان کو مکروہ جانیں گے

لہ ان کا نام محمد بن شجاع بن الثلجی البغدادی ہے۔ کنیت ابو عبد اللہ اپنے وقت کے مشہور فقیہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہی وہ انسان ہیں جنہوں نے ان کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی اور ان کے اقوال کی تائید میں حدیثیں پیش کیں۔ اس کا میلان معتزلہ کی طرف تھا۔ رجال کی کتابوں میں اس پر طعن کیا گیا ہے ۲۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ الجواھر المضیۃ صفحہ ۶۰ ج ۲۔ میزان صفحہ ۷۷ ج ۳۔ تاریخ بغداد صفحہ ۳۵۰ ج ۵۔ الوافی بالوفیات صفحہ ۱۴۸ ج ۳۔ شذرات الذھب صفحہ ۱۵۱ ج ۲۔

وتابع فاولئك هو الهالكون۔

(رواه المسلم والترمذی والنسائی)

وہ صحیح سالم رہیں گے اور جو ان کے کاموں کو پسند کریں گے اور ان کی پیروی کریں گے یہی وہ لوگ ہیں جو تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

امام حنبل باسند حضرت حسن سے روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سیکون علیکم امراء تعرفون وتنکرون فمن انکر فقد بریٔ ومن کره فقد سلم ولکن من رضی وتابع قالوا یا رسول الله اولا نقتلهم قال لا۔

ما صلوا الصلوٰة[1]

(رواه مسلم والترمذی والنسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عنقریب ایسے امراء ہوں گے کہ تم میں سے کچھ لوگ ان کے کاموں کو اچھا کہیں گے اور کچھ ان کے کاموں کو برا جانیں گے پس جس نے انکار کیا وہ بری ہے اور جس نے مکروہ جانا وہ محفوظ رہا لیکن جو ان کے کاموں پر خوش ہوا اور متابعت کی ان کے بارے میں صحابہ کرام نے استفسار کیا یارسول اللہ! کیا ہم ان کو قتل نہ کر دیں۔ فرمایا نہیں جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے رہیں۔

امام حنبل باسند نقل کرتے ہیں۔

ان یزید بن ابی سلمة قام الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یخطب فقال یا رسول الله ارایت ان کان علینا امراء بعدك یسئلونا الحق و

یزید بن ابی سلمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ خطبہ دے رہے تھے اس نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ فرمائیں اگر آپ کے بعد ہم پر ایسے حکام مقرر کئے جائیں جو ہم سے اپنے حقوق کے پورا کرنے کا مطالبہ کریں لیکن ہمیں ہمارے

---

[1] مسلم، ترمذی، نسائی [2] مسلم، ترمذی

يمنعونا فجذب الاشعث بن قيس جذبة جذبه ثم قام ايضاً فقال مثلها فجذب الاشعث بن قيس جنبه ثم قام فقال لا اسال اسئله حتى تغرب الشمس او يخبرني فقال يا رسول الله ارايت ان كان علينا امراء يسئلونا الحق ويمنعونا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم واسمعوا واطيعوا۔ (رواه مسلم، ترمذی)

حقوق سے محروم کریں اس پر اشعث بن قیس نے یزید کو کھینچا تاکہ وہ بیٹھ جائے۔ لیکن یزید نے دوبارہ پہلا سوال دہرایا۔ پھر اس نے اس کو روکا لیکن وہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں سورج غروب ہونے یا جب تک آپ جواب نہ دیں سوال کرتا رہوں گا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فرمائیں اگر آپ کے بعد ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنے حقوق کا سوال کریں اور ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کریں تو آپ نے فرمایا ان پر ان کے حقوق کی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہارے حقوق کی ذمہ داری ہے۔ بس سنو اور اطاعت کرو۔

امام حنبل سند کے ساتھ عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں۔

قال اخذ علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم البيعة على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره وان لا ننازع الامر اهله وان نقول بالحق حيث كان لا نخاف في الله لومة لائم۔ (مسند احمد بن حنبل)

عبادہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت کی، ہم تنگی، آسانی، خوشی، ناراضگی میں آپ کی سمع و اطاعت کریں گے اور جو لوگ حکومت کے حق دار ہوں گے ان سے حکومت نہ چھیننا اور ہر جگہ پر حق بات کہنا۔ اللہ کے راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے بیان کیا۔

قدمت المدینة فقد مات ابوبکر فقلت لعمر ارفع یدك ابایعك علی ما بایعت علیه صاحبیك من قبلك علی السمع والطاعة ما استطعت۔

جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو میں مدینہ میں آیا اور حضرت عمرؓ سے کہا آپ اپنا ہاتھ نکالیں میں آپ کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کرنا چاہتا ہوں جس طرح کہ میں نے آپ سے پہلے آپ کے دو ساتھیوں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ بس طاقت کے مطابق سمع و اطاعت کرتا رہوں گا۔

امام حنبل نے سند کے ساتھ عمرو بقالی سے روایت کیا اس نے کہا۔
جب امیر المؤمنین نماز قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دے تو اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنا درست ہے اور اس کی مخالفت کرنا اس کو برا بھلا کہنا حرام ہے۔

امام حنبل نے ابو سعید خدری سے باسند روایت کیا اس نے کہا۔
بلا سوچے لڑائی لڑنے اور جاہلیت کی موت سے دور رہا جائے۔ ان کے شاگرد ابو الصدیق ناجی نے ابو سعید خدری سے استفسار کیا بلا سوچے لڑائی کیا ہوتی ہے۔ اس نے کہا جو لڑائی کسی خاص قبیلہ کی عصبیت پر لڑی جائے پھر اس نے پوچھا جاہلیت کی موت کیا ہوتی ہے۔ اس نے کہا جب تجھ پر موت طاری ہو تو تیرا کوئی امیر نہ ہو۔

امام حنبل نے حضرت ابو ہریرہ سے سند کے ساتھ روایت کیا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من خرج عن الطاعة وفارق الجماعة ثم مات مات میتة جاهلیة ومن قاتل تحت رایة عمیة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے امیر کی اطاعت سے خروج کیا اور جماعت سے علیحدہ ہوا اسی حالت میں فوت ہو گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے اور جو شخص کسی غیر متعین

لہ بخاری، مسلم، نسائی، دارمی۔

يقاتل للعصبية ويغضب للعصبية	نصب العین والی جنگ میں لڑائی کرتا ہے
فليس من امتی ومن خرج	محض عصبیت کے پیش نظر لڑائی کرتا ہے
من امتی علی امتی یضرب	عصبیت کے لیے ناراض ہوتا ہے۔ وہ
برها و فاجرها	میری امت سے نہیں اور میرے جس
لا یتحاشی مومنها ولا	امتی نے میری امت کے خلاف بغاوت
یفی لذی عهد عهدها	کی۔ نیکو کار بدکار سب پر تلوار چلاتا ہے
فليس منی ۔	کسی مومن کا کچھ خیال نہیں کرتا نہ ہی کسی
	ذمی کے عہد کا پاس کرتا ہے تو وہ مجھ سے
	نہیں ہے ۔

امام حنبل سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ :۔

قال من رای من	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص
من امیرہ شیئا یکرهه	اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ عمل دیکھے
فلیصبر فانه لیس احد	تو وہ صبر کرے اس لیے کہ جو شخص جماعت
یفارق الجماعة شبرا	سے ایک بالشت بھی دور ہو گیا اور اسی
فیموت الا مات میتة	حالت میں فوت ہو گیا تو اس کا فوت ہونا
جاهلية ۔	جاہلیت پر ہے ۔

امام حنبل نے سند کے ساتھ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا اس نے رسول اکرم سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا

من فارق الجماعة	جس شخص نے بالشت بھر جماعت سے
قید شبر فقد خلع	علیحدگی اختیار کی تو اس نے اسلام کے
ربقة الاسلام من عنقه	ہار کو اپنی گردن سے اتار دیا۔

امام حنبل نے سند کے ساتھ حضرت علی سے ان کا قول نقل کیا ہے ۔

ے بخاری، مسلم، دارمی، احمد بن حنبل۔

قال علی الاسلام ثلاثة اثافی الایمان والصلوٰۃ والجماعة لاتقبل صلوٰۃ الا بایمان فمن صلی فقد آمن وجامع ومن فارق الجماعة قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه قال وکان یقول والرابعة ومن مات ولا امام علیه مات میتة جاهلیة۔

حضرت علی فرماتے ہیں اسلام کے تین ستون ہیں، ایمان، نماز، جماعت یاد رکھو ایمان کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ پس نماز ادا کرنے والا مومن ہے اور جماعت میں ہے۔ اور جس شخص نے بالشت بھر بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی تو اس نے اسلام کے زیور کو اپنی گردن سے اتار پھینکا راوی نے بیان کیا اور چوتھی بات یہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص بغیر امیر کے فوت ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

امام حنبل سند کے ساتھ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

یا معاذ ما ملاک هذا الامر قال الاخلاص وهی الفطرة والصلوٰۃ وهی الملة والطاعة وسیکون اختلاف وسنوک خیر من سنی غیرک

اے معاذ! اسلام کا دارومدار کس پر ہے انہوں نے جواب دیا اخلاص اور اس کا نام فطرت ہے اور نماز نظم اور اطاعت کا نام ہے مستقبل میں اختلافات رونما ہوں گے۔ آپ کا زمانہ تو بہرحال دوسروں کے دور سے بہتر ہے۔

امام حنبل نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من کرہ من امیر امرًا فلیصبر فانه لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرًا فمات الا مات میتة جاهلیة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امیر میں ناپسندیدہ فعل دیکھے صبر کرے۔ اس لیے کہ جو شخص امیر کی اطاعت سے بالشت بھر الگ ہوا اور اسی پر فوت ہو گیا تو اس کی موت جاہلیت کی ہے

لہ مسلم

امام حنبل نے سند کے ساتھ حضرت ابو ذر سے روایت کیا۔

قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم يا اباذر قلت "لبيك
وسعديك" قال كيف انت
اذا اصاب الناس جوع تأتي
مسجدك فلا تستطيع ان تأتي
فراشك و تأتي فراشك
فلا تستطيع ان تنهض الى
مسجدك قلت الله ورسوله
اعلم او ما خار الله لي و
رسوله قال عليك بالصبر قال
يا اباذر قلت لبيك وسعديك
قال كيف انت اذا اصاب الناس
موت يقوم البيت فيه بالوصيف
قال يعني القبر قلت الله ورسوله
اعلم او ما خار الله لي ورسوله
قال عليك بالصبر او قال
تصبر ثم قال يا اباذر قلت
لبيك وسعديك قال كيف
انت اذا رايت احجار الزيت
قد غرقت بالدم قلت ما خار الله
لي ورسوله قال عليك بمن انت
معه قلت او لا آخذ بسيفي فاضعه على عاتقي

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے
ابو ذر میں نے عرض کیا حاضر ہوں جناب!
آپ نے فرمایا۔ تیرا کیا حال ہو گا جب لوگ
بھوک سے نڈھال ہوں گے اگر مسجد آئیں
گے تو اپنے بستر پر پہنچنے کی طاقت نہ رکھیں
گے اور اگر بستر پر ہوں گے تو مسجد جانے کی
طاقت نہ ہو گی۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس
کے رسول خوب جانتے ہیں۔ یا جو اللہ اور اس
کے رسول میرے لیے بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ
نے فرمایا۔ صبر کرنا ہو گا۔ پھر آپ نے ابو ذر کو
بلایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا جناب حاضر
ہوں آپ نے فرمایا۔ تیرا کیا حال ہو گا۔ جب
کثرت کے ساتھ لوگ موت کا شکار ہوں
گے۔ قبر نکالنے کی مزدوری غلام کی قیمت
کے برابر ہو گی۔ میں نے عرض کیا اللہ اور ر
اس کے رسول خوب جانتے ہیں یا جو اللہ اور ر
اس کے رسول میرے لیے بہتر سمجھتے ہیں آپ
نے فرمایا صبر کرنا ہو گا۔ پھر آپ نے پکارا اے
ابو ذر! تیرا کیا حال ہو گا جب احجار الزیت
خون کے ساتھ لت پت ہو گی۔ میں نے عرض
کیا جو کچھ اللہ اور اس کے رسول میرے لئے
بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے رفقا لی

قال شاركت القوم اذاً قلت فما تامرني قال الزم بيتك قلت فان دخل على بيتي قال فان

خشیت ان یبھرک شعاع السیف فالق رداءک علی وجھک فیبوء باثمک واثمہ

رفاقت اختیار کرنا۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہ درست نہیں کہ میں تلوار اٹھا کر باہر نکل آؤں۔ آپ نے فرمایا اس صورت میں تو قوم کے ساتھ شریک سمجھا جائے گا۔ میں نے عرض کیا۔ پھر کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اپنے گھر میں جم کر بیٹھو میں نے عرض کیا اگر میرے گھر میں مجھ پر حملہ ہو جائے آپ نے فرمایا اگر تجھے خطرہ محسوس ہو کہ تلواریں تیرے سامنے چمک رہی ہیں۔ تو اپنے منہ پر کپڑا ڈال لو ایسی حالت میں حملہ کرنے والے پر تیرے اور اس کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔

امام حنبل نے سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کیا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف بک اذا بقیت یا عبد اللہ بن عمرو فی حثالۃ من الناس قد مرجت عھودھم و اماناتھم واختلفوا فصاروا ھکذا او شبک بین اصابعہ قال کیف تامرنی یا رسول اللہ۔
" قال تاخذ ما تعرف وتدع ما تنکر وتقبل علی خاصتک وتدع عوامھم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تو ردی قسم کے لوگوں میں زندگی گزارے گا۔ جن کو نہ وعدوں کا پاس ہوگا اور نہ ہی امانت داری کا وہ خیال رکھیں گے۔ ان میں اختلاف رونما ہوگا۔ تو وہ آپس میں ایک دوسرے پر زور کے ساتھ حملہ آور ہوں گے۔ تمثیلاً آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں ملایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا معروف کاموں کا حکم دیجئے اور منکر کاموں کو چھوڑ دیجئے اور خاص لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کیجئے، عوام سے کچھ راہ و رسم نہ رکھئے۔

امام حنبل سند کے ساتھ یحیی بن حصین کے دادا سے روایت کرتے ہیں

یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب اسمعوا واطیعوا وان امر

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ خطبہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے کہ امیر کی سمع و اطاعت کرو

علیکم عبد یقودکم بکتاب الله عزوجل۔

اگرچہ تم پر غلام امیر بنا دیا جائے جب وہ تمہاری قیادت اللہ کی کتاب کی روشنی میں کرے۔

امام حنبل نے علقمہ بن وائل بن حجر سے روایت کیا۔

قال قام یزید بن سلمة الجعفی الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو یخطب الناس فقال یا رسول الله أرایت ان کان علینا قوم من بعدك یأخذونا بالحق و یمنعونا حق الله قال فلم یجبه النبی صلی الله علیه وسلم شیئا ثم قام الیه الثانیة فلم یجبه شیئا ثم قام الیه الثالثة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما علیکم ما حملتم وعلیهم ما حملوا اسمعوا لهم و اطیعوا۔

اس نے بیان کیا کہ یزید بن سلمہ جعفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑا ہوا۔ جب آپ خطبہ دے رہے تھے اور کہا یا رسول اللہ! آپ بتائیں اگر آپ کے بعد ہم پر مسلط ہونے والے حکمران اس طرح کے ہوں کہ وہ ہم سے اپنے حقوق تو حاصل کریں۔ لیکن ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کر دیں۔ آپ نے اس کے سوال کا کچھ جواب نہ دیا۔ وہ دوبارہ کھڑا ہوا پھر بھی آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب وہ تیسری بار کھڑا ہوا اور سوال کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرو۔ وہ اپنے حقوق کی نگہداشت کریں تم ان کی باتیں سنو اور ان کی اطاعت کرو۔

امام حنبل سند کے ساتھ ام حصین الاحمسیہ سے روایت کرتے ہیں۔

تقول رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع علیه برد قد التفع به من تحت ابطه وانا انظر الی عضلة ساقه ترتج وهو یقول یا ایها الناس اتقوا الله وان امر علیکم عبد

وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے بغل کے نیچے سے لے کر چادر سے تمام بدن ڈھانپ رکھا تھا۔ میری نظر آپ کی پنڈلی کے اعصاب کی طرف تھی جو متحرک دکھائی دیتے تھے آپ فرما رہے تھے لوگو! اللہ سے ڈرو اگرچہ تم پر حبشی

حبشی مجدع فاسمعوا له و اطيعوا ما اقام فيكم كتاب الله عز وجل ۔

غلام جس کے کان وغیرہ کٹے ہوں کیوں نہ امیر بنا دیا جائے۔ پس جب تک کہ وہ تم میں اللہ کی کتاب پر عمل کراتا رہے۔ تم کو اس کی سمع واطاعت کرنی ہوگی۔

امام حنبل سند کے ساتھ عبد رب الکعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں

قال كنت جالسا فی ظل الكعبة و هو يحدث الناس يقول كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فی سفر فنزلنا منزلا فمنا من يضرب خباءه ومنا من هو فی جشره اذ نادى منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلوٰة جامعة قال فانتهيت اليه وهو يخطب الناس ويقول ايها الناس انه لم يكن قبلى الا كان حقا الله عز وجل ان يدل امته على ما يعلمه خيرا لهم و ينذرهم على ما يعلمه شرا لهم الا وان عاقبة هذه الامة فی

میں کعبہ کے سائے میں تھا۔ عبداللہ بن عمرو بیان کر رہا تھا اس نے بیان کیا کہ ایک سفر میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت حاصل ہوئی چنانچہ ہم (آرام کیلئے) ایک مقام پر ٹھہرے تو ہم میں سے کچھ لوگ خیمے لگانے میں مصروف ہو گئے اور کچھ لوگ چارپایوں کے خیال میں لگ گئے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ، چنانچہ (اس اعلان پر) میں بھی وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ خطبہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے اے لوگو! مجھ سے پہلے جو بھی پیغمبر آیا اللہ کی طرف سے اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنی امت کو ان تمام چیزوں سے آگاہ کرے جن کو ان کے لیے بہتر سمجھے اور ان تمام سے خبردار کرے جن کو ان کے حق میں برا جانے

؎ بخاری، ترمذی، ابوداؤد، احمد بن حنبل۔

اولها وآخرها بلاء وفتن
يعدو بعضها بعضًا تجيء
الفتنة فيقول المؤمن
هذه مهلكتي ثم تنكشف
ثم تجيء فيقول هذه
هذه ثم تنكشف ثم تجيء
فيقول هذه هذه ثم
تنكشف فمن احب ان
يزحزح عن النار
ويدخل الجنة فلتدركه منيته
وهو يؤمن بالله
ورسوله واليوم الاخر
ياتي الى الناس ما
يحب ان يؤتى اليه ومن
بايع اماما فاعطاه صفقه
يده وثمرة قلبه فليطعه
ان استطاع وقال
مرة ما استطاع قال
فلما سمعته ادخلت
راسي بين رجلين فقلت
ان ابن عمك معاوية
يامرنا قال فوضع اصبعه
على جبهته ثم نكس ثم

خبردار اس امت کے اول، آخر میں مصائب
و فتن حملہ آور ہوں گے جو ایک دوسرے سے
بڑھ کر ہوں گے۔ ایک فتنہ کے آنے پر مومن
کہے گا یہ فتنہ تو مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ پھر وہ
ٹل جائے گا۔ پھر دوبارہ عود کر آئے گا۔ تو
مومن کہے گا یہ فتنہ یہ فتنہ پھر فتنہ ختم ہو جائے
گا۔ پھر سہ بارہ فتنہ حملہ آور ہوگا تو مومن کہے
گا۔ یہ فتنہ یہ فتنہ ہلاک کرنے والا ہے۔ پھر وہ
ختم ہو جائے گا۔ پس جو شخص پسند کرتا ہے
کہ وہ جہنم سے دور رکھا جائے اور جنت
میں داخل ہو تو جب اس پہ موت طاری ہو
تو اس کا اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے
دن پر ایمان ہو وہ لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک
کرے۔ جس طرح کہ وہ خود چاہتا ہے کہ اس
کے ساتھ لوگ بہتر سلوک کریں اور جب کوئی
شخص امام کی بیعت کرتا ہے۔ اپنا ہاتھ اسے
پکڑا دیتا ہے۔ اور دل میں اس کی اطاعت کا
اذعان بٹھا لیتا ہے تو طاقت کے مطابق اس کی
اطاعت کرے اور کبھی یوں کہا کہ جس قدر طاقت
ہو اطاعت کرے۔ راوی نے بیان کیا کہ جب
میں نے ان باتوں کو سنا تو میں نے سوچ کے
عالم میں اپنا سر اپنے دونوں پاؤں کے درمیان
میں کیا اور میں نے عرض کیا کہ آپ کا چچازاد بھائی

رفع راسه قال اطعه	معاویہ ہمارا امیر ہے اس نے اپنا ہاتھ پیشانی
فی طاعة الله و اعصه	پر رکھا پھر ذرا سر نیچا کیا پھر سر اوپر اٹھا کر فرمایا
فی معصیة الله قال	کہ اللہ کی اطاعت میں اس کی اطاعت کرنا
فقلت له انت سمعت	اور نافرمانی میں نافرمانی کرنا میں نے اس سے
من رسول الله صلی الله	پوچھا کہ تو نے یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیه وسلم قال	وسلم سے سنی ہیں اس نے اثبات میں جواب
نعم سمعته اذنای	دیا اور کہا میرے دونوں کانوں نے ان باتوں
ووعاه قلبی۔	کو سنا اور میرے دل نے ان کو یاد رکھا۔

امام حنبل سند کے ساتھ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عمر ان النبی صلی الله	ابن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیه وسلم قال السمع والطاعة	وسلم نے فرمایا مسلمان کے لیے سمع واطاعت
علی المسلم فیما احب ادکرہ الا	ضروری ہے۔خواہ وہ پسند آئے یا ناپسند
ان یؤمر بمعصیة الله	ہاں اگر اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم ہے
فلیس لاحد ان یطاع	تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اللہ کی نافرمانی
فی معاصی الله عز وجل	میں کسی کی اطاعت کی جائے۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ جب متوکل کی جانب سے ایک قاصد علوی کی تفتیش کے سلسلہ میں آیا تو امام صاحب نے اس سے کہا کہ میں ہر حالت میں امیر المومنین کی سمع واطاعت کو ضروری سمجھتا ہوں اگرچہ مجھ سے ادنیٰ انسان کو مجھ پر فوقیت کیوں نہ دی جائے اور میں امیر المومنین کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اسے تائید ایزدی حاصل رہے اور مزید صلاحیتوں سے آراستہ پیراستہ ہو جائے۔

امام حنبل سند کے ساتھ حضرت حسینؓ سے روایت کرتے ہیں۔

قال قال رسول الله صلی	اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
الله علیه وسلم انما	وسلم نے فرمایا۔میرے بعد ایسے امیر ہوں

ستكون بعدی امراء تعرفون وتنكرون فمن انكر فقد برئ ومن كره فقد سلم ولكن من رضی وتابع فقیل له ما تقول فی قتال فجارهم قال لا ما صلوا الصلوٰة لا ما صلوا الصلوٰة لا ما صلوا الصلوٰة[1]

گے جن کو تم میں سے کچھ لوگ اچھا سمجھیں گے اور کچھ برا جانیں گے۔ پس جو شخص ان کے برے کاموں سے نفرت کا اظہار کرے۔ وہ بری ہے اور جو صرف مکروہ سمجھے وہ بھی سالم رہا البتہ جو ان کے کاموں پر خوش رہا اور متابعت کی (وہ سالم نہ رہا) آپ سے استفسار ہوا، فاسق فاجر امراء کے ساتھ لڑائی کرنے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے تین بار فرمایا جب وہ نماز ادا کرتے ہیں تو ان سے لڑائی نہ کرو۔

حضرت حذیفہ کا قول

جاء رجل الی حذیفة فقال الا تامر بالمعروف وتنهی عن المنكر فقال ان الامر بالمعروف والنهی عن المنكر حسن ولكن ليس من السنة ان ترفع السلاح على امامك

ایک آدمی حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کیا آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دیتے ہیں۔ اس نے جواب دیا یقیناً امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا اچھا کام ہے لیکن یہ بات سنت کے خلاف ہے کہ تو اپنے امام کے خلاف تلوار اٹھائے۔

امام حنبل سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا۔ میرا امیر جب اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے تو اطاعت کروں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تجھے خطرہ ہو کہ وہ تجھے قتل کر دے گا۔ پھر بھی اس کی غیبت کرنا جائز نہیں۔ اگر تو سچی بات اس تک پہنچانا ہی چاہتا ہے تو خود اس کے پاس جا کر کہو۔ غیبت نہ کرو۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں۔ علوی انسان کے فتنہ کے ختم ہونے کے بعد ایک دن دوپہر کے وقت ہم اپنے گھر کے سامنے بازار میں بیٹھے تھے۔ متوکل کے دربان یعقوب

---

[1] مسلم، ترمذی، نسائی۔

تو صرہ آئے وہ امام احمد سے ملاقات کرنا چاہتے تھے؛ چنانچہ میں اور میرے والد ہم دونوں بھی اس کے ساتھ امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس کے ساتھ چند نوکر چاکر بھی خچر پر سوار تھے۔ جن کے ہاتھوں میں درے پکڑے ہوئے تھے۔ اس نے متوکل کا خط امام صاحب کو دیا۔ جس میں تحریر تھا کہ امیر المومنین تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ اس الزام سے بری ہیں؛ چنانچہ آپ کی خدمت میں کچھ مال بطور ہدیہ بھیج رہا ہوں۔ اسے قبول کرو۔ اور اپنی ضرورتوں میں صرف کرو۔ امام صاحب نے اس کے لینے سے انکار کر دیا اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حاجب نے کہا۔ آپ کے لیے مال کا ہدیہ قبول کرنا بہتر ہے۔ انکار مناسب نہیں۔ میرے والد نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہدیہ قبول کریں۔ واپس نہ لوٹائیں۔ اگر آپ واپس لوٹائیں گے تو خطرہ ہے کہ امیر المومنین کہیں آپ کے بارے میں بدظن نہ ہو جائیں لہٰذا قبول فرمائیں۔ ان کے اصرار پر امام صاحب نے ہدیہ قبول فرما لیا

جب یعقوب حاجب واپس چلا گیا تو امام صاحب نے مجھ سے کہا کہ ہدیہ کی رقم الماری کے نیچے رکھ دیجیے اس کے بعد ہم بھی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ہدیہ کا مال تمام دن ان کے گھر میں الماری کے نیچے پڑا رہا۔ جب رات ہوئی ہم اپنے گھر میں آرام کر رہے تھے تو اچانک امام صاحب کی ام ولد نے ہمارے احاطہ کے دروازہ کو دستک دی۔ میں نے دریافت کیا کیوں کیا کام ہے؟ اس نے کہا میرے آقا امام احمد اپنے چچا کو بلا رہے ہیں۔ میں نے اپنے والد تک پیغام پہنچایا؛ چنانچہ ہم اکٹھے تقریباً آدھی رات کے وقت وہاں پہنچے۔ امام صاحب اپنے چچا سے مخاطب ہوئے اور فرمایا چچا! آج رات مجھے نیند نہیں آرہی ہے اس نے دریافت کیا۔ نیند نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا میرے گھر میں ہدیہ کا جو مال ہے۔ اس نے میری نیند ختم کر دی ہے اور اس کی وجہ سے میں سخت اضطراب میں ہوں ان کے چچا انہیں سمجھاتے رہے اور کوشش کرتے رہے کہ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ جس سے نیند اچاٹ ہو جائے آپ مطمئن رہیں آرام کریں۔ دن ہونے پر اس کا حل سوچ لیا جائے گا۔ اب رات کا وقت ہے لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر

رہے ہیں امام صاحب اس جواب سے قدرے مطمئن ہو گئے اس کے بعد ہم اپنے گھر واپس آ گئے۔

صبح سویرے عبدوس بن مالک، حسن بن بزاز، ہارون جمال، احمد بن منیع، ابن الاورقی کی طرف پیغام بھیجا گیا۔ وہ امام صاحب کے گھر پہنچ گئے، میں بھی اپنے والد امام صاحب کے دونوں بیٹوں صالح، عبداللہ کی رفاقت میں وہاں پہنچ گیا۔ ان کے علاوہ جو اہل علم امام صاحب کے ہمخیال تھے اور باوقار انداز سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ باوجود احتیاج کے کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ انہیں بھی مدعو کیا گیا ان میں ابوسعید اشج ابوکریب قابل ذکر ہیں۔ ان سب میں ہدیہ کی تمام رقم تقسیم کر دی گئی۔ کسی کو پچاس کسی کو یک صد کسی کو دوصد درہم دیا گیا۔ یہاں تک کہ تھیلی میں ایک درہم بھی باقی نہ رہا اور درہم کے ساتھ تھیلی کا بھی ایک مسکین پر صدقہ کر دیا۔

اس سے چند دن بعد بغداد کے گورنر اسحاق بن ابراہیم اور اس کا بیٹا محمد دونوں فوت ہو گئے تو عبداللہ بن اسحاق کو گورنر بنایا گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن اسحاق نے امام احمد کی طرف ایک قاصد کے ہاتھ متوکل کا خط بھیجا جس میں امام صاحب کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شرکت کے لیے بغداد سے روانہ ہو جائیں۔

اس پر امام صاحب نے معذرت کی کہ میں کمزور ہوں۔ بوڑھا ہو چکا ہوں مستزاد کہ بیمار ہوں اس لیے حکم ماننے سے مجبور ہوں۔

عبداللہ بن اسحاق نے امام صاحب کے جواب سے متوکل کو آگاہ کیا تو اس نے ان کا عذر قبول نہ کیا اور جنگ میں شریک ہونے کا حکم دیا، چنانچہ عبداللہ بن اسحاق نے امام صاحب کے دروازے پر پولیس کا ایک دستہ مقرر کر دیا تاکہ وہ ان کی نگرانی کرے اور باخبر رکھے کہ کیا امام صاحب حکم کی تکمیل کرتے ہوئے روانہ ہوئے ہیں۔ یا گھر ہی میں اقامت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ امام صاحب نے محسوس کیا کہ امیر المؤمنین اگر عذر قبول نہیں فرماتے ہیں تو پھر حکم کے مطابق نکلنا چاہیے۔ چنانچہ ان کی معیت میں ان کے دونوں بیٹے صالح عبداللہ کے علاوہ میں بھی اپنے والد کے ساتھ روانہ ہوا۔

جب ہم شمامیہ کے قریب پہنچے تو امام صاحب نے مجھے کہا کہ چونکہ ہمارے گھروں میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ اس لیے آپ واپس جائیں اور گھروں کا خیال رکھیں۔ مجھے میرے والد نے بتایا کہ جب ہم عسکر پہنچے اور جبر قلعہ میں داخل ہوئے۔ میں اور امام صاحب ایک کجاوے میں تھے۔ ہم نے دور سے دیکھا کہ ایک بہت بڑا قافلہ آرہا ہے۔ جب وہ ہمارے قریب آیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ شاہی دستہ ہے اس کے نمائندے نے ہم سے امام صاحب کے بارے میں استفسار کیا۔ ہم نے امام صاحب کی طرف اشارہ کیا اس نے امیر المومنین کا سلام امام صاحب کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے دشمن ابن ابی دؤاد پر غلبہ عطا کیا ہے۔ آپ اس کے متعلق جو کچھ فرمائیں گے۔ امیر المؤمنین تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے جو پیغام دینا ہے دیجئے تاکہ امیر المومنین کو پہنچا دیا جائے۔

لیکن امام صاحب خاموش رہے کچھ جواب نہ دیا البتہ میں نے جب یہ روح پرور باتیں سنیں تو میں امیر المومنین اور قاصد کے لیے دعا کرتا رہا۔ پھر ہم وہاں سے چل دیئے اور ایتاخ کے محلات میں آرام کے لیے اترے۔ امام صاحب کو علم نہیں تھا کہ یہ محلات کن کے ہیں۔ جب انہیں پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا مجھے ان میں رہنا پسند نہیں ہے کرائے پر کسی مناسب مکان کا انتظام کیا جائے لوگوں نے کہا امیر المؤمنین کے حکم سے آپ کو ان محلات میں رہائش کی سہولت مہیا کی گئی ہے۔ لیکن وہ مصر تھے کہ میں تو کرائے کے مکان میں رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ان کے مطابق ان کے لیے کرائے کے مکان کا انتظام کیا گیا۔ جس میں وہ فروکش ہوئے؛ چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے وہاں مختلف قسم کے کھانے پھل اور کھجور وغیرہ کا انتظام تھا۔ لیکن امام صاحب نے کھانا تناول فرمانا تو کجا دستر خوان کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ روزانہ شاہی کھانا جو ہمارے لیے بھیجا جاتا تھا اس پر ایک سو بیس درہم صرف آتے تھے۔ جب تک امام صاحب وہاں رہے وہ اپنے کھانے کا خود انتظام کرتے رہے۔

اس دوران یحییٰ بن خاقان[1]، عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان[2]، علی بن جہم[3] امیر المؤمنین کے پیغامات لے کر امام صاحب کی خدمت میں آتے رہے۔ اس دوران امام صاحب بیمار ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ کمزور ہو گئے۔ باوجود اس کے وہ متواتر کئی روز تک روزوں میں وصال فرماتے، کھانے پینے سے کنارہ کش رہتے۔ ایک بار مسلسل آٹھ دن وصال کیا نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ آٹھویں روز میں ان کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے عرض کیا حضرت عبد اللہ بن زبیر سات یوم تک وصال فرماتے اور آج اٹھواں روز ہے کہ آپ وصال ختم نہیں کر رہے ہیں امام صاحب نے جواب دیا۔ مجھ میں اس کی طاقت ہے۔ میں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو آپ کیوں اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔

میں نے ان حقوق کا واسطہ دیا جو میرے ان پر تھے۔ اس پر امام صاحب نرم ہو گئے۔ اور فرمایا جب تم حقوق کا واسطہ دے کر میرا وصال ختم کرنا چاہتے ہو تو میں آپ کا احترام کرتا ہوں اور روزہ کھولتا ہوں؛ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں افطاری

---

[1] ابو محمد کنیت فارسی الاصل شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ امیر المؤمنین متوکل نے اس کو اپنا بھائی بنا رکھا تھا اور شام کی گورنری پر متعین کر رکھا تھا۔ ابن الندیم ص ۱۱۶ ج ۱، فوات الوفیات ص ۱۰۳ ج ۲، ابن استونہ ص ۱۷ ج ۱، ارشاد الاریب ص ۱۱۶ ج ۶۔ [2] کنیت ابو الحسن۔ نہایت سمجھدار عقلمند انسان تھے امیر المؤمنین نے ان کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ عمر بھر اس عہدہ پر فائز رہے ۲۶۰ھ میں فوت ہوئے دول الاسلام ص ۱۲۵ ج ۱، تاریخ الطبری ص ۲۴۶ ج ، الدیارات ص ۸۲، دائرۃ المعارف الاسلامیۃ ص ۱۴۶ ج ۱۔ [3] کنیت ابو الحسن بہترین شاعر گزرے ہیں۔ امیر المؤمنین متوکل کے ساتھ خصوصی مراسم تھے جب کسی وجہ سے اس پر امیر المؤمنین ناراض ہوئے تو اس کو خراسان جلا وطن کر دیا۔ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر حلب منتقل ہو گیا۔ وہاں سے لڑائی کے ارادہ سے نکلا تو بنو کلیب کے ساتھ لڑائی میں زخمی ہو گیا۔ زخموں کی تاب نہ لا کر ۲۴۹ھ میں فوت ہوا۔ دائرۃ المعارف الدغانی ص ۲۰۳ ج ۱، ۲۲۴، ابن خلکان ص ۳۴۹ ج ۱، طبری ص ۸۶ ج ۱۱، تاریخ بغداد ص ۳۶۷ ج ۱۱، البستانی ص ۱۸۳۶ ج ۱۔

کے لیے ستو پیش کیے جس سے انہوں نے افطار کیا۔ میرے والد بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین متوکل نے امام صاحب کی جانب بدیتہً مال بھیجا جس کو انہوں نے قبول کرنے سے معذرت کی اس پر عبیداللہ بن یحییٰ نے امام صاحب سے کہا کہ امیر المومنین کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنی ذات پر اس مال کو صرف کرنا نہیں چاہتے تو اپنے اہل وعیال میں تقسیم کر دیں آپ نے فرمایا انہیں بھی اس کی ضرورت نہیں ہے اور مال عبیداللہ بن یحییٰ کو واپس کر دیا۔ انہوں نے اس کو ان کے اہل وعیال میں بانٹ دیا۔

امیر المومنین کو جب علم ہوا کہ امام صاحب ان کی طرف سے بھیجے گئے مال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے ان کے بیٹوں اور دیگر اہل وعیال کیلئے چار ہزار درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ امام صاحب نے اس کو بھی ناپسندیدہ سمجھا اور امیر المومنین کی جانب پیغام روانہ کیا کہ میرے بچے اس سے مستغنی ہیں۔ انہیں کچھ حاجت نہیں۔ امیر المومنین نے جواب میں پیغام بھجوایا کہ آپ کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں آپ کی طرف مال بھیجا جائے تو آپ اعتراض اٹھانے میں حق بجانب ہیں۔ یہ جواب سن کر امام صاحب خاموش ہو گئے اور امیر المومنین متوکل جب تک زندہ رہے امام صاحب کے لڑکوں کی طرف ماہانہ چار ہزار درہم بھیجتے رہے۔

امام صاحب اور ان کے چچا کے درمیان گفتگو

امام صاحب قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے کہ امیر المومنین کی طرف سے بھیجا گیا کوئی ہدیہ تک قبول فرمائیں لیکن ان کے چچا انہیں اس میں نرم کرتے رہے اور سمجھاتے رہے امام صاحب نے بالآخر ایک دن جب کہ وہ عسکر میں اقامت پذیر تھے اپنے چچا سے کہا۔ اے چچا! کچھ پتہ نہیں کہ کب موت کا بلاوا آ جائے۔ اب عمر کا کچھ زیادہ حصہ باقی نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ کا ڈر اختیار کرنا چاہیے میں نہیں چاہتا کہ ہماری اولاد ہی ہماری شخصیت کے بل بوتے پر روپیہ حاصل کریں اب تو چند روزہ زندگی ہے۔ عنقریب پردہ وا ہونے والا ہے اور جب موت نے آدبوچا تو ہماری نیکیاں اور برائیاں ہمارے سامنے کر دی جائیں گی۔ پس اس دنیا

میں صبر کا ہتھیار بہترین ہتھیار ہے جس پر ہمیں بے حساب ثواب ملے گا۔ اگر ہم دنیا کی دلکشی سے الگ تھلگ رہے اور فتنوں کی لپیٹ میں آنے سے محفوظ رہے ان کے چچا نے امام صاحب کے جذبات کی پاسداری کرتے ہوئے فرمایا۔ میں پہلے ہی پُر امید ہوں کہ اللہ پاک نے آپ کو دنیوی آلائشوں سے محفوظ فرما دیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ تمہارے لیے یہی راہ محفوظ ہے کہ تم بھی شاہی وظائف اور تحائف کی قبولیت سے معذوری کا اظہار کرو لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی طرف سے دی گئی ضیافتوں میں بھی شریک ہوتے ہو اور عطیات بھی قبول کرتے ہو یاد رکھو اگر آج تم ان کو چھوڑ دو تو وہ بھی تمہیں چھوڑ دیں گے۔ سمجھ لو کہ موت سر پر کھڑی ہے اس کے بعد یا جنت کی طرف جانا ہو گا۔ یا دوزخ کی جانب دھکیلا جائے گا لیکن وہ لوگ کس قدر خوش قسمت ہیں جو بھلائی کی جانب پیش قدمی کرتے ہیں۔ ان کے چچا دلائل پیش کرتے ہیں اور ان سے استفسار کرتے ہیں۔

کیا حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ جو مال بلا سوال اور بلا لالچ مل جائے۔ اس کے لینے میں کچھ گناہ نہیں امام صاحب نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ میرا ایک بار نہیں بلکہ تین بار اس قسم کے مال سے واسطہ پڑا ہے اور بلا سوال اور بلا لالچ میں نے مال قبول کیا ہے لیکن ذرا آپ سوچ کر جواب دیں کہ کیا کبھی بلا لالچ بھی آپ نے مال لیا ہے۔ چچا نے کہا کیا عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس شاہی عطیات قبول نہیں کرتے رہے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا۔ میں نے تو آپ سے صرف اس قدر دریافت کیا ہے کہ کیا کبھی آپ نے بلا لالچ بھی شاہی عطیات کو قبول کیا ہے۔ آپ جو جواب پیش کرتے ہیں۔ یہ اس کا صحیح جواب نہیں ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ دونوں صحابی بلا کسی لالچ کے عطیات قبول کرتے رہے۔

میرا موقف یہ ہے کہ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ حاصل ہونے والا مال کسی غلط طریقے سے نہیں آیا۔ اس کے حصول میں نہ کسی پر ظلم ہوا ہے تو اس مال کے لینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

امام صاحب کی بیماری

ابو علی حنبل بیان کرتے ہیں کہ جب امام صاحب کی بیماری بڑھتی چلی گئی تو متوکل نے ابن ماسویہ طبیب ان کی جانب بھیجا اس نے تشخیص کے بعد علاج تجویز کیا۔ لیکن امام صاحب اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ طبیب واپس متوکل کے ہاں پہنچا۔ متوکل نے اس سے کہا کیا وجہ ہے کہ کسی دوائی سے کچھ فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ طبیب نے جواب دیا۔ امام صاحب کسی جسمانی بیماری میں مبتلا نہیں ہیں ان کے بیمار ہونے کی صرف وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔ عام طور پر وہ روزے سے ہوتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں ان کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ معمول کے مطابق خوراک استعمال کریں۔ یہ سن کر متوکل خاموش ہو گیا۔

ام متوکل اور امام صاحب

امام صاحب کے حالات سے جب متوکل کی والدہ کو علم ہوا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا میں ایسے انسان کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ بیٹے نے والدہ کی فرمائش پوری کرنے کیلئے امام صاحب کی جانب پیغام بھیجا کہ میری آرزو یہ ہے کہ آپ میرے بیٹے معتز کے ہاں جائیں اور اس کے لیے دعا فرمائیں۔ امام صاحب نے جانے سے انکار کر دیا۔ لیکن متوکل اصرار کرتا رہا کہ آپ ہماری فرمائش قبول کریں۔ اس خیال سے امام صاحب نے اس درخواست کو شرف قبول عطا فرمایا کہ اس طرح کم از کم بغداد واپس جا سکیں گے چنانچہ متوکل نے انہیں خلعت کا ہدیہ بھیجا اور سواری پیش کی جس پر سوار ہو کر معتز کے ہاں پہنچیں لیکن امام صاحب نے خلعت اور سواری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان دنوں جون کا مہینہ تھا۔ امام صاحب نے کھلا قمیص پہنا ہوا تھا۔ اسی پر اکتفا کیا اور ابن جناب جوہری تاجر سے سواری کے لیے خچر حاصل کیا۔ جس پر سوار ہو کر وہاں پہنچے۔ جب متوکل کی والدہ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہاں متوکل بھی موجود تھا۔ اس کے قریب ہی دوسرے مکان میں معتز فروکش تھا۔ درمیان میں باریک کپڑے کا پردہ لٹک رہا تھا جب امام صاحب معتز پر داخل ہوئے تو متوکل کی والدہ نے باریک پردہ سے امام صاحب

کو دیکھا تو اس نے اپنے بیٹے متوکل سے کہا اے میرے بیٹے اس انسان کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس شخص کو تمہارے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے اور اکرام و اعزاز کے ساتھ گھر بھیج دیا جائے۔ امام صاحب نے معتز کی مجلس میں داخل ہوتے ہی اسے سلام کہا اور بیٹھ گئے لیکن اسے امیر المومنین کے لقب کے ساتھ نہ پکارا۔

ابراہیم بن اسحاق سے نہ رہا گیا وہ آگ بگولا ہو کر کہنے لگا کہ جو شخص معتز کو امیر المومنین کا لقب دے کر نہ پکارے وہ اس لائق ہے کہ اس کی گردن قلم کر دی جائے۔ جب امام صاحب نے بھی انہیں امیر المومنین کے لقب سے نہیں پکارا ہے تو وہ بھی گردن زدنی کے لائق ہے۔ اس کے بعد امام صاحب بغداد میں بیان کیا کرتے تھے کہ جب میں معتز کے پاس گیا تو اس کے مؤدب طبی نے معتز کو سلام کے بعد اصلح اللہ الامیر کے لقب کے ساتھ پکارا اور کہا کہ امیر المومنین نے اس انسان کو (امام صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیا ہے۔ معتز نے جب کہ وہ ابھی بچہ تھا۔ اپنے مؤدب کو جواب دیا۔ جب یہ شخص مجھے تعلیم دے گا تو میں اس کی تعلیم قبول کر دوں گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ معتز کے اس جواب سے مجھے اس کی حاضر جوابی سمجھداری ہوشمندی پر تعجب ہوا۔

چونکہ امام صاحب نے بغداد سے نکلتے وقت اللہ پاک سے اس بات کا عہد کیا تھا کہ اب میں کسی شخص کے سامنے کوئی حدیث بیان نہیں کروں گا۔ جب ان سے کہا گیا کہ معتز کی مجلس میں حدیث کا درس دیں تو انہوں نے درس دینے سے انکار کر دیا۔ پس جو شخص دعویٰ کرے کہ میں نے ان سے اس دوران حدیث سنی ہے تو وہ جھوٹا ہے امام صاحب کا مرض بڑھتا گیا اور متوکل کو ان کی بیماری سے برابر مطلع کیا جاتا رہا۔ یحییٰ بن خاقان نے متوکل کو امام صاحب کی بیماری کے پیش نظر قائل کر لیا کہ وہ انہیں گھر واپس جانے کی اجازت عطا کریں اور اسے یقین دلایا کہ امام صاحب دنیا کی زیب و زینت سے الگ تھلگ رہنے والے انسان ہیں۔ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔

عبداللہ بن یحییٰ عصر کے وقت متوکل کا پیغام لے کر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور خوش خبری سناتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین کی طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ آپ اپنے گھر پر آرام کریں۔ اگرچہ امام صاحب کی واپسی کے لیے شاہانہ انداز کے مطابق کشتی پر بٹھانے کا حکم صادر کیا گیا تھا لیکن امام صاحب نے اسے پسند نہ فرمایا۔ بلکہ عام کشتی پر بیٹھ کر عازم وطن ہوئے۔ اگرچہ انتظامیہ کا ارادہ تھا اور نمائندگی ابن حرب[1] الخطاب نے کی، کہ وہ جلدی جانے کا خیال ترک کر دیں۔ لیکن انہوں نے فی الفور روانہ ہونے کو ترجیح دی۔

امام حنبل بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے تشریف لانے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ ہم نے اچانک سنا کہ وہ تشریف لے آئے ہیں؛ چنانچہ میں نے قطیعہ کے کنارے ان کا استقبال کیا۔ جب کہ وہ کشتی سے اتر کر ساحل پر آ رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ انہوں نے مجھے کہا آپ مجھ سے آگے چلیں۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے آنے کی شہرت نہ ہو؛ چنانچہ ان کے حکم کے مطابق میں آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ پیچھے پیچھے آ رہے تھے؛ چونکہ تھکاوٹ سے چور ہو چکے تھے اس لیے گھر میں داخل ہوتے ہی بے اختیار زمین پر گر پڑے اور آرام کے لیے چت لیٹ گئے۔ جب وہ آرام کر چکے تو ان کی خدمت میں ان کے دونوں صاحبزادے ان کے چچا حنبل اور میں حاضر ہوئے امام صاحب نے ذرا خفگی کے ساتھ میری جانب دیکھا اور کہا میری طرف سے اللہ تجھے بھلائی کا بدلہ عطا نہ فرمائے تو نے میرے خلاف اس قسم کی باتیں کہیں۔ میرے نام کو غلط استعمال کیا۔ میری اجازت کے بغیر عسکر گیا اور وہاں میرا چرچا کرتا رہا جس کے نتیجہ میں مجھے بھی وہاں جانے کی زحمت برداشت کرنا پڑی۔ امام صاحب یہ باتیں کر رہے تھے اور لال پیلے ہو رہے تھے۔ میں نے ان تمام باتوں سے ان کی خدمت میں معذرت کی اور معافی کا خواستگار ہوا۔ جس سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

---

[1] ابن حرب الخطاب سے مراد جعفر بن حرب ہیں جن کا شمار کبار معتزلہ سے ہوتا ہے علم کلام کی تحصیل ابوالہذیل علاف سے بصرہ میں کی ۱۷۷ھ میں پیدا ہوا ۲۳۰ھ میں فوت ہوا۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۴۳، تاریخ بغداد صفحہ ۱۶۲ ج ۷، مروج الذہب صفحہ ۲۹۸ ج ۲۔

امام صاحب کی وفات

امام صاحب عسکر سے واپس آنے کے بعد جمعہ جماعت کی ادائیگی کے لیے معمول کے مطابق مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اگرچہ درس حدیث سے کنارہ کش رہے لیکن مسائل بتانے اور فتاویٰ لکھنے سے انکار نہ فرمایا۔ امام حنبل روایت کرتے ہیں کہ ۲۴۱ھ ربیع الاول میں امام صاحب بیمار ہوئے۔ بیماری سے قبل آپ رات کو نوافل پڑھتے۔ قرات اونچی فرماتے۔ مجھے آواز سنائی دیتی۔ بخار میں مبتلا ہونے کے بعد قرات کی آواز نہ سنی گئی؛ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ گذشتہ رات مجھے آپ کی قرات کی آواز سنائی نہیں دی۔ کیا وجہ ہے۔ فرمایا کسی مانع کی وجہ سے میں گھر کی چھت پر نہ جا سکا۔ اس سے کچھ روز پہلے میں بھی بیمار ہوا تو امام صاحب میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اور میری صحت کے لیے دعا فرماتے رہے۔ میں نے امام صاحب سے دریافت کیا کیا آپ مجھ سے راضی ہیں۔ آپ نے فرمایا ناراضگی کی کچھ وجہ نہیں ہے۔ جب کہ مجھے آپ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی ۔ پھر میرے حق میں دعا فرمائی اور واپس گھر چلے گئے۔ اس واقعہ کے بعد وہ بیمار ہوئے۔ تقریباً تین روز کے بعد میں ان کی بیمار پرسی کے لئے حاضر ہوا۔ دریں اثناء وفات سے پچاس روز قبل ان کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا انہوں نے سعید نام رکھا۔ ان کے ایک دوسرے لڑکے کا نام محمد تھا جو ان دنوں چلنے لگا تھا۔ امام صاحب اس بچے کا خاص خیال رکھتے۔ اپنی گود میں بٹھاتے اور اس سے پیار کرتے۔ ایک روز فرمایا اس عمر میں بچے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے عرض کیا آپ کے بعد یہ بچے آپ کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعائیں کریں گے۔ میرے اس جواب سے وہ مطمئن ہو گئے اور الحمد للہ کہا امام صاحب کا مرض بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دس ربیع الاول کو فوت ہو گئے۔

جس روز امام صاحب فوت ہوئے۔ اس روز صبح سویرے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چارپائی پر بے ہوش لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا آپ ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر رہے ہیں۔ جس طرح نماز میں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ اس طرح

وہ بار بار ہاتھ اٹھا رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ بلا رکوع بلا سجود نماز ادا کر رہے ہیں جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے قبل فوت ہوئے۔ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد ہم انکے مکان پر حاضر ہوئے تو وہاں لوگ جمع تھے۔ ابن الکردیہ ہاشمی ابو العباس بن موسیٰ ہاشمی دیگر ہاشمی اہل علم امام صاحب کے تلامذہ قرابت دار وغیرہ وہاں حاضر تھے۔ ابن الکردیہ اور اس امام نے انہیں غسل دیا جو نمازیں پڑھاتا اور خطبہ دیتا تھا۔ ان کے ساتھ غسل دینے میں امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ بھی شریک تھے۔ البتہ ہم انہیں ضرورت کی چیزیں مہیا کر رہے تھے اور پانی ڈال رہے تھے۔

انہیں تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جس کا سوت ان کی لونڈی نے تیار کیا تھا اور اسی مقصد کے لیے اسے رکھا ہوا تھا۔ کفن پہن کر ہم انہیں قبرستان کی طرف اٹھا لائے۔

کفن کے لیے تینوں کپڑے اور خوشبو وغیرہ کا انتظام بغداد کے امیر محمد بن عبداللہ نے بھی کر رکھا تھا لیکن ہم نے اس کو قبول نہ کیا۔ ہم نے معذرت کے ساتھ انہیں رد کر دیا۔ جب کھلے میدان میں ان کا جنازہ رکھا گیا تو ان کے صاحبزادے صالح جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ ابن طاہر کے تلامذہ نے ابن طاہر کی طرف اشارہ کیا۔ بعض نے صالح کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ ابن طاہر کو جنازہ پڑھانے دیں۔ محمد بن نصر نے بھی امیر امیر کے الفاظ پکارے کہ وہ جنازہ پڑھائے۔ لیکن ابن طاہر جلدی سے آگے بڑھے اور نماز جنازہ پڑھائی۔ اکثر لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے صاحبزادے صالح نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن طاہر کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح متوکل کے ہاں میرا مقام بلند ہو گا۔ چنانچہ متوکل کی طرف ایک مکتوب بھیجا جس میں اس کا ذکر تھا۔

جمعہ کے روز ہی غروب شمس سے پہلے دفن کیے گئے۔

جمع اللہ بیننا و بینہ فی رضوانہ وجنتہ

ابو علی بیان کرتے ہیں کہ فتح بن سہل امام صاحب کی عیادت کے لیے آئے لیکن

انہیں اجازت نہ دی گئی۔ وہ بازار میں جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ امام صاحب کے علم و فضل سے ہم کما حقہٗ واقف ہیں۔ بیماری کے دنوں میں امام صاحب کے اقربا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں کہ وہ ان کے پاس رہیں۔

بیماری کے دوران ایک شخص نے عبدالرحمان طبیب کی تعریف کی جو مسلمان تھا اور رمادیہ سے آیا کرتا تھا اس نے روغن اخروٹ کے استعمال کی تجویز پیش کی۔ جب ہم امام صاحب کی خدمت میں لائے تو آپ نے اس کے استعمال سے انکار کیا اور فرمایا میٹھا تیل لاؤ۔

جب مرض شدت اختیار کر گیا تو پھر ہم روغن بادام لائے۔ جب انہیں پتہ چلا تو واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر ہم نے کبھی پیش نہ کیا۔

امام صاحب زندگی میں ہمارے گھروں سے استعمال کی چیزیں عاریۃً لیا کرتے تھے۔ جب ہمارے گھروں میں شاہی مال پہنچا تو پھر نہ اپنے بیٹوں کے گھروں سے نہ ہمارے گھروں سے کبھی کوئی چیز استعمال کے لیے نہ لی۔ یہاں تک کہ جب وہ بیمار تھے تو کسی نے کہا اس مرض میں کدو کا پانی مفید رہے گا کہ اسے تنور میں بھون کر نچوڑ کر اسکا پانی استعمال کیا جائے! چنانچہ کدو لایا گیا تو حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ امام صاحب کے لڑکے صالح کے گھر میں تنور ہے وہاں بھیج دو تاکہ بھون کر استعمال میں لایا جائے ابھی ابھی وہ روٹیاں پکا کر فارغ ہوئے ہیں۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بالکل نہیں آپ ان کے گھر نہ بھیجیں۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض اس لیے اپنے بیٹوں کے گھروں سے کوئی چیز نہ کھاتے تھے کہ وہاں شاہی خزانے سے عطیات آتے تھے۔

تم الکتاب

والمنۃ. والحمد للہ وحدہٗ وصلواتہٗ علی سیدنا محمد النبی الامی

وآلہٖ وسلم تسلیماً